مئی ۱۹۸۹

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

نبوی طریقِ انقلاب کا حالاتِ حاضرہ پر انطباق

ڈاکٹر اسرار احمد کے دو خطاباتِ جمعہ کی تلخیص

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

تعمیر کی ھر ضرورت کا حل
ھمارے پاس ھے
• تعمیر کی ھر ضرورت کے لیے سٹیٹ سیمنٹ مختلف سیمنٹ تیار کرتے ھیں
• پورٹ لینڈ سیمنٹ - عام زمین پر ہر قسم کی تعمیر کے لیے
• سلفیٹ رزِسٹنگ سیمنٹ - ساحل سمندر اور شور زدہ زمین پر تعمیر کی ضرورت
• سلیگ سیمنٹ - بنیادوں اور بڑے حجم والے کنکریٹ کیلئے بے مثال
• وائٹ سیمنٹ - آرائشی کام اور فرشوں کیلئے مخصوص
سٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن آف پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

SCAN

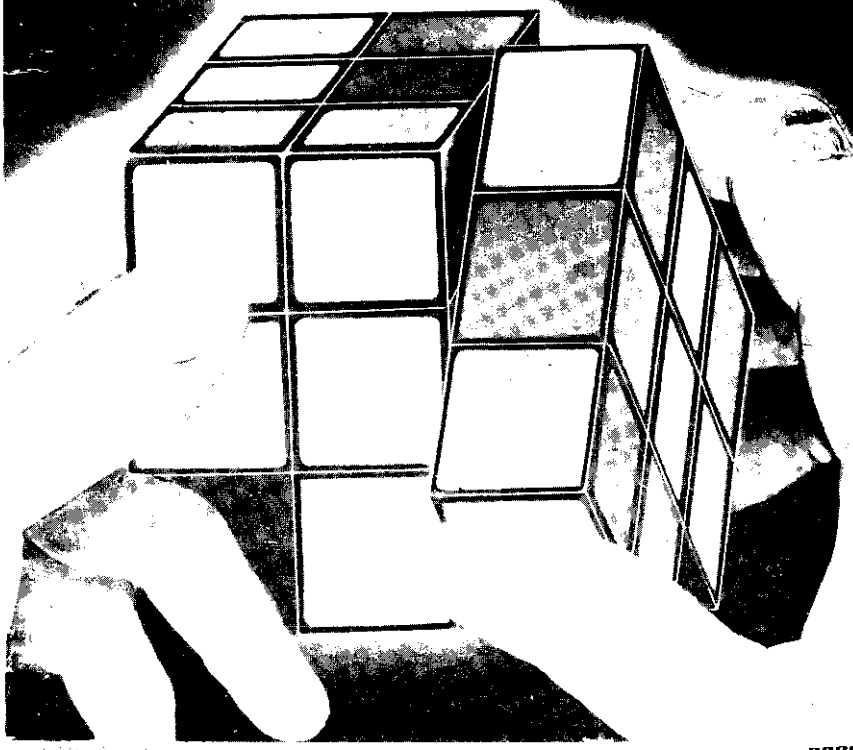

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۸
شمارہ: ۵
شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
مئی ۱۹۸۹ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
★
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوہا، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا — ۶- امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ — ۹- امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ — ۱۲- امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروزپور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴
سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶
پبلشرز: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

■ عرضِ احوال ——— ۳

عاکف سعید

■ نبویؐ طریق انقلاب کا حالات حاضرہ پر انطباق ——— ۵

ڈاکٹر اسرار احمد کے دو اہم خطابات پر مشتمل "منہج انقلاب نبویؐ" کا ضمیمہ

■ الہدیٰ (نشست ۵۹) ——— ۴۹

مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں (۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

■ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت داعیٔ انقلاب (۳) ——— ۵۹

امیر تنظیم اسلامی کا ایک فکر انگیز خطاب

مرتب: (شیخ) جمیل الرحمٰن

■ خطوط و نکات ——— ۷۳

"بھارت میں دعوت رجوع الی القرآن کا ایک نیا مرکز — کلیان"

دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں جناب معین الدین ڈون کا مکتوب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ احوال

ان سطور کی تحریر کے وقت تک رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں سے دو تہائی گزر چکی ہیں اور اس ماہ مبارک کا تیسرا عشرہ جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عتقٌ من النار" قرار دیا تھا، شروع ہو چکا ہے۔ یہ ماہ مبارک جو آغاز میں ہم جیسے ضعیف الایمان لوگوں کو بڑا پُرصعوبت اور طویل المسافت معلوم ہوتا ہے، جب سمٹنے پر آتا ہے تو اتنی سبک روی سے گزر جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ برکتوں والا یہ مہینہ ابھی شروع ہوا ہی تھا کہ دفعۃً ختم بھی ہو گیا۔ ویسے تو ایک انسان کی پوری زندگی ہی خواہ وہ نوّے اور سو سالوں پر ہی محیط کیوں نہ ہو، روزِ قیامت انسان کو چند ساعتوں سے زیادہ محسوس نہ ہو گی۔ سورۃ النّٰزعٰت کی آخری آیت میں اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ كَاَنَّهُمۡ يَوۡمَ يَرَوۡنَهَا لَمۡ يَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوۡ ضُحٰٮهَا ○ ترجمہ: "ایسا لگے گا جس دن دیکھیں گے اُس کو کہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر ایک شام یا اس کی صبح۔" لیکن اس کیفیت کا تجربہ ماہ رمضان المبارک کے معاملے میں تو اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کا یہ موسم بہار ہر سال آتا ہے اور گزر جاتا ہے لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو اس ماہِ مبارک سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لیے پروردگار کی رحمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر اور اپنے لیے مغفرت اور عذابِ جہنم سے رستگاری کا پروانہ حاصل کر کے اس کی مبارک ساعات کو اپنے لیے امر بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں! افسوس ہے اُن لوگوں کی حالت پر اور پھر افسوس ہے اُن کی حالت پر جو یہ مبارک مہینہ پائیں لیکن پورا مہینہ اسی غفلت اور لاابالی پن کی اسی کیفیت میں گزار دیں جو پورا سال اُن پر مسلط رہتی ہے اور یوں اس ماہ مبارک کی برکتوں سے مکمل طور پر محروم اور تہی دامن رہ جائیں

ع اس آرزو کے باغ میں آیا نہ کوئی پھول — اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے

قارئین کرام کے علم میں ہے کہ امیرِ تنظیمِ اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ابوظبی کے احباب کے شدید تقاضے اور اصرار پر اس ماہِ رمضان المبارک میں دَورۂ ترجمۂ قرآن کی غرض سے ۴ اپریل کو ابوظبی تشریف لے گئے تھے۔ الحمد للہ کہ وہاں دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام تسلی بخش طریقے پر جاری ہے۔ ابوظبی کے پاکستانی سنٹر کی خوبصورت مسجد میں جہاں یہ پروگرام ہو رہا ہے، پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد راتِ بھر کے اس پروگرام میں دلچسپی سے شریک ہو رہی ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ ابوظبی کے کیلنڈر کے مطابق ۲۴ یا ۲۵ رمضان المبارک کو دورۂ ترجمۂ قرآن کی تکمیل ہو جائے گی اور ۳۰ اپریل کو امیر محترم واپس لاہور تشریف لے آئیں گے۔

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی میں اس سال بھی پچھلے چند برسوں کی طرح ماہِ رمضان المبارک میں دَورۂ

ترجمہ القرآن کی روایت پورے اہتمام سے نبھائی جا رہی ہے۔ گو حاضری پچھلے سال کے مقابلے میں کم ہے جس کا اصل سبب تو یہی ہے کہ امیر تنظیم اسلامی اس بار یہاں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ثانوی درجے میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس بار رمضان المبارک سے قبل اس پروگرام کی تشہیر مناسب طور پر نہیں کی جا سکی تھی۔ قرآن اکیڈمی میں ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری ہمارے فاضل استاذ پروفیسر حافظ احمد یار صاحب کے کاندھوں پر ہے جسے وہ اپنی کبر سنی کے باوصف نہایت خوبی سے نبھا رہے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزا۔ اس سے قبل ۱۹۸۶ء کے ماہ رمضان میں بھی جب امیر محترم کا دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام کراچی میں تھا، قرآن اکیڈمی کی مسجد میں محترم حافظ احمد یار صاحب ہی نے قرآن حکیم کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری کو نبھایا تھا۔ حالانکہ محترم حافظ صاحب کی طبیعت اُن دنوں پیٹ کی مسلسل خرابی کے باعث بہت ناساز رہتی تھی۔ اس سال الحمد للہ کہ انہیں اس نوع کا کوئی عارضہ لاحق نہیں ہے اور وہ پورے انشراح صدر اور طبیعت کی مکمل آمادگی کے ساتھ اس فریضے کو انجام رہے ہیں۔ لاہور میں دو اور مقامات پر بھی تنظیم اسلامی کے تحت دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام چل رہا ہے۔ مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو میں امیر تنظیم کے دورۂ قرآن کے ویڈیو کیسٹس کے ذریعے اس پروگرام سے استفادہ کیا جا رہا ہے جبکہ نواں کوٹ ملتان روڈ کے علاقے میں محترم رحمت اللہ بٹر صاحب ایک مسجد میں اس پروگرام کو لے کر چل رہے ہیں۔ وہاں نمازیوں کی سہولت کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز تراویح پہلے ادا کر لی جاتی ہے اور آخر میں پڑھے گئے پارے کا ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ کراچی میں ناظم آباد کی اُس مسجد میں جہاں آج سے تین سال قبل محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ماہ رمضان المبارک میں قرآن حکیم کے ترجمے کا دورہ کرایا تھا، اس سال محترم حافظ محمد رفیق صاحب ترجمۂ قرآن کی ذمہ داری کو سنبھالے ہوتے ہیں محترم حافظ صاحب اس سے قبل ۱۹۸۷ء میں قرآن اکیڈمی لاہور میں بھی اس ذمہ داری کو بحسن و خوبی نبھا چکے ہیں۔ دورہ ترجمۂ قرآن کے یہ پروگرام درحقیقت تحریک رجوع الی القرآن ہی کے سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتے ہیں اور الحمد للہ اس کے بہت مفید اثرات محسوس کیے گئے ہیں۔

———— حسب وعدہ "منہج انقلاب نبوی" کے تازہ ایڈیشن میں شامل شدہ اس باب کو شاملِ 'میثاق' کیا گیا ہے جو اس اہم بحث پر مشتمل ہے کہ نبوی طریق انقلاب کا حالات حاضرہ پر انطباق کیسے ہوگا! اقدام اور مسلح تصادم کے مراحل کی متبادل صورتیں اس دور میں کون کون سی ہیں ہم رفقاء و احباب کے تقاضے کے پیش نظر بہت جلد اس باب کو الگ کتابچے کی صورت میں بھی شائع کر دیا جائے گا تاکہ اس کے افادے کا دائرہ مزید وسیع ہو سکے اور جن لوگوں کے پاس "منہج انقلاب نبوی" کا پرانا ایڈیشن ہے وہ اس کتابچے کو اس کے ساتھ ملا کر اپنا نسخہ مکمل کر سکیں۔ ————

نبویؐ طریقِ انقلاب

کا

حالاتِ حاضرہ پر انطباق

★

امیرِ تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"منہجِ انقلابِ نبویؐ" کا ضمیمہ

جسے کتاب کے تازہ ایڈیشن میں شامل کیا گیا ہے

★

مسلّح تصادم

کے اعتبار سے دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق

★

مسلّح بغاوت کی شرعی حیثیّت

★

تمدّنی ارتقاء سے پیدا شدہ دو اہم تبدیلیاں

★

اقدام اور مسلّح تصادم کا متبادل

نہی عن المنکر بالید

★

قرآن حکیم کی اصولی رہنمائی

★

احادیثِ نبویّہ کی تفصیلی وضاحت

★

خلاصہ مباحث اور تین ممکنہ نتائج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرات و خواتین.....!

اس مسجد میں جمعہ کی تقاریر کے سلسلہ میں آپ کو یاد ہو گا کہ پہلے تو ہم نے انقلابِ ایران کے موضوع پر گفتگو کی تھی۔ پھر ہم نے اسلامی انقلاب کے مراحل، مدارج، لوازم کو سمجھنے کیلئے سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے معروضی مطالعہ سے گفتگو کا آغاز کیا تھا جو دو ڈھائی ماہ تک جاری رہا جس میں ہم نے یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ انسانی کا جو عظیم ترین اور کامل ترین انقلاب برپا کیا تو اس کے لئے آپؐ نے کیا طریقہ اختیار فرمایا! اور آپؐ کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑا!! اس لئے کہ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، اور محبت و عقیدت رکھتے ہیں، ان کی نگاہ میں حضورؐ کا جو مقام ہے وہ تو ہے ہی، لیکن جو لوگ آپؐ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ آپؐ سے عداوت رکھتے ہیں وہ بھی اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تاریخ انسانی کا عظیم و کامل ترین انقلاب وہ تھا جو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برپا کیا۔

میں اپنی سی امکانی کوشش کر چکا ہوں کہ سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک مطالعہ اور ایک جائزہ اس انداز میں آپ حضرات کے سامنے رکھ دوں کہ اسلامی انقلاب کے مراحل اور مدارج نکھر کر سامنے آجائیں میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اسی بات کا پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ میں نے "فلسفۂ انقلاب" سمجھا ہی سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا

الصلوٰۃ والسلام کے مطالعہ سے ہے۔ میرا واحد ذریعۂ معلومات صرف اور صرف سیرتِ طیبہ ہے' بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں اور پورے یقین اور اعتماد سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مجرد انقلابی عمل کو سمجھنا چاہے کہ وہ کیا ہے'..... تو میرے نزدیک کسی بھی حقیقی اور واقعی انقلاب کے طریق کار کو جاننے کا واحد ذریعہ (SOURCE) صرف اور صرف سیرت النبی ہے۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

میرا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں ہے بلکہ اسے پایۂ ثبوت تک پہنچانے کیلئے میں متعدد شواہد پیش کر سکتا ہوں۔ آپ غور کیجئے کہ ایک انسانی زندگی کے وقفہ (LIFE SPAN) میں' اور وہ بھی کُل ۲۳ برس میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دینا تاریخ انسانی میں صرف ایک ہی بار ہوا ہے۔ اور یہ ہوا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے' ایک فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہو اور اسی فرد کے ہاتھوں انقلاب کے تمام مراحل اس طور سے طے پا جائیں کہ لکھو کھا مربع میل کے ایک ملک پر ایک بالکل نیا نظام بالفعل قائم ہو جائے اس کی کوئی اور مثال پوری انسانی تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ حضراتِ انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ میں بھی اس کی کوئی مثال و نظیر نہیں ملتی۔ اسی لئے میں نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ خصوصاً آغازِ وحی سے لے کر اس دنیا سے رحلت فرمانے کا جو قریباً ۲۳ سال کا عرصہ بنتا ہے' اسے قدرے تفصیل سے مرحلہ وار بیان کیا ہے تاکہ اس مختصر عرصہ کی جو ہمہ گیر و ہمہ جہت جدّوجہد ہے' اس کی روشنی میں ہم یہ بات اچھی طرح جان سکیں کہ ایک حقیقی اور واقعی اسلامی انقلاب کن کن مراحل اور مدارج سے گزرتا ہے اور اس کے لوازم کیا ہوتے ہیں! نیز یہ کہ ہمیں اگر اسلامی انقلاب لانے کی جدوجہد کرنی ہے تو اس کے لئے ہمیں لازماً اصل رہنمائی سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی سے حاصل کرنی ہوگی۔

اب ہمیں گہرے غور و فکر اور نہایت احتیاط کے ساتھ یہ دیکھنا ہوگا کہ انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی انقلابی جدوجہد کے کن کن مراحل اور امور کو ہمیں جوں کا توں لینا ہوگا اور وہ کون سے مراحل ہیں کہ جن کے بارے میں حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ کو من حیث المجموع سامنے رکھ کر ہمیں موجودہ حالات کے پیش نظر استنباط کرنا ہوگا اور کس حد تک اس معاملے میں ہمیں اجتہاد کرنا ہوگا۔ اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل آیئے پہلے اس فرق کو سمجھیں جو دو اعتبارات سے دورِ نبویؐ اور آج کے حالات میں واقع ہوا ہے۔

مسلّح تصادم کے اعتبار سے
دورِ نبویؐ اور موجودہ حالات میں دو اہم فرق

پہلا فرق..... پہلا واضح ترین اور نمایاں ترین فرق تو یہ واقع ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ ہوئی تھی ایک خالص کافرانہ و مشرکانہ معاشرے میں..... جبکہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہمارا تعلق ایک مسلمان معاشرہ سے ہے اور ہمیں اس میں کام کرنا ہے۔ ہمارے ملک ہی کی طرح دوسرے بہت سے مسلم ممالک ہیں جن میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد اسّی فیصد سے زائد ہے اور ان تمام ممالک کے سربراہ اور حکمران بھی مسلمان ہی ہیں۔ رعایا اور حکمرانوں کے کردار' ان کے اخلاق' ان کی سیرت اور دین سے ان کے عملی تعلق کے معاملات کو ایک طرف رکھتے ہوئے یہ بات تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ یہ سب کے سب قانوناً مسلمان ہیں۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ کہیں بھی مکمل اسلامی نظام اپنی آئیڈیل صورت میں عملاً قائم و نافذ نہ ہو بلکہ پورا کا پورا لادینی (SECULAR) نظام رائج ہو تب بھی وہ مسلمان معاشرہ کہلائے گا اور اس کے حکمران مسلمان ہی تسلیم کئے جائیں گے۔ پھر حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے ان معاشروں میں کردار کے اعتبار سے ہر طرح کے طبقات موجود ہیں۔ شرابی' زانی' قمار باز اور کئی اعتبارات سے صرف اسلامی اخلاق و کردار ہی سے نہیں عام انسانی سیرت و کردار سے بھی دست افراد بھی موجود ہیں اور اسلامی نظام کے عملاً نافذ نہ ہونے کے باوجود انہی معاشروں میں کچھ نہ کچھ ایسے مسلمان بھی لازماً موجود ہوں گے جو نمازی' روزے دار' اسلامی شعائر کی پاس داری کرنے والے اور انفرادی سطح پر صالح اور متقی مسلمان ہوں..... بہرحال عملاً یہ تمام لوگ قانوناً مسلمان ہیں اور انہیں کلمہ کی ڈھال حاصل ہے۔ لہٰذا ان حالات میں جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی انقلابی دعوت پیش کی اور اس صورت حال میں جس سے ہمارا سابقہ ہے' ایک نہایت نمایاں فرق موجود ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جس معاشرے سے مقابلہ تھا' وہ فکری و عملی دونوں اعتبارات سے خالص مشرکانہ اور کافرانہ معاشرہ تھا اور ان کا پورا نظام شرک کی بنیادوں پر استوار اور قائم تھا۔ کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں جو فکری طور پر موحّد اور عملی طور پر بت پرستی کی نجاست کی آلودگی سے محفوظ تھیں۔ لیکن غالب اکثریت مشرکین ہی کی تھی۔ چنانچہ پہلا اور بنیادی فرق

یہ ہے کہ جس کو سامنے رکھ کر ہمیں سوچنا ہو گا کہ آیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا منہجِ انقلاب جوں کا توں اور بعینہٖ اختیار کریں گے یا اس میں کوئی فرق وتفاوت ہو گا!

دوسرا فرق..... دوسری اہم بات یہ ہے کہ نوع انسانی کا جو تمدنی ارتقا ہوا ہے اس کے اعتبار سے اب کسی بھی ملک میں جو حکومت ہوتی ہے اس کے پاس تمام وسائل ہوتے ہیں' اور تمام قوت ہوتی ہے' پھر ان دونوں کا نہایت منظم ارتکاز ہوتا ہے' جبکہ عوام بالکل نہتے ہو گئے ہیں۔ تو ان دونوں کے مابین فرق وتفاوت اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ وہ جو مسلح تصادم (ARMED CONFLICT) والا مرحلہ ہے یعنی پہلے سے قائم شدہ باطل نظام سے مسلح تصادم کا معاملہ وہ نظری اور عملی دونوں اعتبارات سے قریباً ناممکن کے درجہ تک پہنچ چکا ہے۔ یہ دونوں تبدیلیاں ایسی بنیادی ہیں کہ ان کو سامنے رکھ کر ہمیں معروضی طور پر غور کرنا ہے کہ اگر ہم اسلامی انقلاب برپا کرنے کا تہیہ اور عزم کرتے ہیں تو ان تمام مراحل میں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدّوجہد اور سعی وکوشش گزری آیا ہمیں بعینہٖ وہی طریقہ اختیار کرنا ہو گا جو ہمیں سیرت مطہرہ میں ملتا ہے یا یہ کہ ان اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر مرحلہ پر ہم یہ دیکھیں کہ کس کس پہلو سے ہماری عملی APPROACH (لائحہ عمل) مختلف ہو گی۔

ایک اہم گزارش..... اس سے قبل کہ میں گفتگو آگے بڑھاؤں آپ سے گزارش کروں گا کہ میری اس گفتگو کو سنتے ہوئے آپ فی الحال شعوری طور پر اپنے ملک یا اپنے حالات کو ذہن سے نکال دیجئے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ پھر گفتگو بڑی گڈمڈ ہو جائے گی اور قدم قدم پر میری گفتگو اور ملک کے تناظر میں ٹکراؤ پیدا ہو گا' بلکہ ابھی تک میری گفتگو میں ایک عمومیت اور تعمیم ہے کہ ہم فرض کر رہے ہیں کہ ایک مسلمان ملک ہے جس میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ چاہے ان کا اخلاق' ان کا اپنا کردار' دین کے ساتھ ان کا اپنا معاملہ اور بحیثیتِ مجموعی اسلام سے ان کا عملی تعلق حوصلہ افزا نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک مایوس کن اور حوصلہ شکن بھی ہے۔ پھر یہ کہ وہاں کے حکمران بھی مسلمان ہی ہیں خواہ وہ عمل کے اعتبار سے مسلمان کہلانے کے مستحق نہ ہوں بلکہ ان کے افعال کے ڈانڈے فسق وفجور سے ملتے ہوں اور خواہ وہ نمازی اور روزے دار ہوں۔ دونوں حالتوں میں وہ ہیں مسلمان..... لیکن اس ملک میں اسلام بالفعل قائم ونافذ نہیں ہیں۔ یا اگر ہے تو بہت ہی سرسری سا اور سطحی سا اور

محض نمائشی۔ اسلامی نظام کا جو اصل الاصول ہے' اس کی جو حقیقی اقدار ہیں' زندگی کے تمام اجتماعی شعبوں پر اس کی جو گرفت ہے ان میں سے کوئی چیز بھی وہاں عملاً موجود نہیں ہے۔ اس صورتحال کو ایک مفروضہ کی حیثیت سے سامنے رکھئے اور سردست اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے کہ میں اس وقت پاکستان کی حکومت اور اس کے معاشرہ کو سامنے رکھ کر گفتگو کر رہا ہوں۔ بصورتِ دیگر اس مسئلہ میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں..... ہمیں معاملہ کو اصولاً سمجھنا ہے اور پھر اس اصول کا انشاءاللہ ہم اپنے حالات پر بھی انطباق کریں گے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں یہ احتیاط اور یہ تدریج لازمی ہے۔

گفتگو کی عکسی ترتیب

میں اس ضمن میں آج صبح سوچ رہا تھا کہ اصلاً تو ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ میں نے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے جو چھ مراحل بیان کئے تھے' انطباق کے مسئلہ میں بھی وہی ترتیب اختیار کروں۔ یعنی پہلے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال کروں کہ دعوت کے مرحلہ میں کوئی فرق وتفاوت ہو گا یا نہیں اور اگر ہو گا تو وہ کیا ہو گا..... ! پھر تنظیم کے مرحلہ اور اس کے طریق کار میں کوئی فرق وتفاوت ہو گا یا نہیں ہو گا اگر ہو گا تو کیا ہو گا..... !! تربیت کے عمل میں کوئی فرق وتفاوت ہو گا یا نہیں ہو گا..... اگر ہو گا تو کیا ہو گا..... !!! اسی کے ساتھ ہے صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) کا مرحلہ..... جس کے بعد ہے اقدام (ACTIVE RESISTANCE) کا مرحلہ..... گنتی اور ترتیب کے اعتبار سے تو یہ دونوں مرحلے چوتھے اور پانچویں نمبر کے طور پر بیان ہوتے ہیں جبکہ حقیقت کے اعتبار سے صبرِ محض کا مرحلہ پہلے مرحلہ یعنی دعوت کے ساتھ ساتھ شروع ہو جاتا ہے۔ تو سوچنا ہو گا کہ آیا ان کے ضمن میں بھی کسی اجتہادی تبدیلی کی ضرورت ہو گی یا نہیں۔ اسی طرح آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم (ARMED CONFLICT) کا معاملہ ہے کہ آیا اس میں بھی کوئی فرق وتفاوت ہے یا نہیں' اگر ہے تو وہ کیا ہے؟

لیکن مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے بہت سے احباب اس آخری مرحلہ یعنی مسلح تصادم کے بارے میں اپنے ذہن میں کافی تشویش لئے ہوئے ہیں اور اس کے بارے میں یہ معلوم کرنے میں نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ بے تاب ہیں کہ ایک مسلمان معاشرہ اور

ایک مسلمان حکومت میں اس مرحلہ کو کس طور پر طے کیا جائے گا..... لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر ابتدائی مراحل سے گفتگو کا آغاز کروں گا تو شاید احباب اس کے اندر دلچسپی محسوس نہ کریں اور اپنی پوری توجہ اس طرف مبذول نہ کر سکیں جو مطلوب ہے چونکہ ان کے اذہان پر تو مسلح تصادم والے مرحلہ کا تسلط زیادہ ہے اور اس کے انطباق (APPLICATION) کو پہلے جاننے کے متمنی ہیں۔ لہٰذا میں نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اب اس سلسلۂ بیان میں عکسی ترتیب سے بات شروع کروں چونکہ جو آخری مراحل ہیں قانونی اعتبار سے سب سے بڑا فرق انہی میں واقع ہوتا ہے۔ ان کے متعلق ہمیں غور کرنا ہو گا کہ موجودہ حالات میں ان مراحل کو عبور کرنے کی سبیل کیا ہو گی..... ؟ صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) ہو گا تو کیا ہو گا.....!! اقدام (ACTIVE RESISTANCE) کی صورت کیا ہو گی؟ آیا کوئی بغاوت ہو گی! حکومت کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کیا جائے گا! پھر یہ مسلح بغاوت کرنی ہو تو دیکھنا ہو گا کہ آیا شریعت میں اس کی اجازت ہے یا نہیں اور اگر ہے تو اس کی شرائط کیا ہیں!! اس لئے کہ یہ دین کا مسئلہ ہے..... جب ہم دین کے لئے کام کرنے چلے ہیں تو ہمیں اپنے کام کے لئے اجازت دین ہی سے درکار ہو گی۔ شریعت میں اگر اس کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ دروازہ تو بالکل بند ہے۔ پھر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ اجازت ہونے کی صورت میں بحالاتِ موجودہ وہ ممکن العمل بھی ہے یا نہیں..... تاہم میرے نزدیک یہ بات دوسرے درجہ کی ہے۔ اس لئے کہ پہلے درجہ میں تو ہمیں دین کا حکم معلوم کرنا ہو گا کہ آیا مسلح تصادم کے ضمن میں جواز کا کوئی امکان ہے یا نہیں ہے! پھر اگر جواز کی صورت موجود ہو تو یہ سوال پیدا ہو گا کہ اس کے لئے بالفعل بھی کوئی امکان ہے یا نہیں.....!!

آج کی گفتگو کا موضوع..... میں آج ان دو مسئلوں ہی کو اپنی آج کی گفتگو کا موضوع بنا رہا ہوں۔ اس طرح ایک عکسی ترتیب سے بات شروع ہو گی۔ مجھے آج یہ بتانا ہے کہ اگر مسلح بغاوت کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو اس کا متبادل طریق یعنی ALTERNATE PROCEDURE کیا ہو سکتا ہے؟ جس کے تحت کسی ملک میں قائم شدہ پورے کا پورا نظام بدلا جا سکے اور اس نظام کو چلانے والی حکومت کو ہٹایا جا سکے اور اس کی جگہ ایک کامل تبدیلی (TOTAL CHANGE) لائی جا سکے۔ یعنی نظام کے اعتبار سے بھی اور اس کے چلانے والے ہاتھوں کے اعتبار سے بھی یہ تبدیلی کامل و مکمل ہو۔

موضوع کی نزاکت..... ان چند تمہیدی باتوں ہی سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ بڑا نازک مسئلہ اور بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ لیکن اس دور میں اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کی بظاہر احوال کوئی صورت ممکن نہیں ہے جب تک کہ ہم اس مسئلہ کو تمدنی ارتقا کی روشنی میں حل نہ کر سکیں اور اس کے صحیح متبادل طریقہ (ALTERNATE PROCEDURE) کو تلاش نہ کر سکیں۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے چونکہ ہمارا اصل ہدف اسلامی انقلاب برپا کرنا ہے۔ میں پورے صمیم قلب سے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ مجھے حق بات ہی کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور حق کے کہنے کی بھی ہمت عطا فرمائے ، اس موضوع پر اپنے خیالات پیش کروں گا۔ ساتھ ہی میں آپ سے بھی استدعا کرتا ہوں کہ آپ بھی میرے لئے مسلسل یہی دعا کیجئے چونکہ اس قسم کے پیچیدہ اور نازک مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے بسا اوقات انسان غیر ارادی طور پر یا بے احتیاطی کے باعث اگر کہیں سخت الفاظ استعمال کر جائے تو بات پیچیدگی اختیار کر سکتی ہے۔ لہٰذا میں آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں کہ میں بات بھی صحیح بیان کر سکوں اور اس کے لئے میری زبان سے الفاظ بھی صحیح نکلیں اور میں مناسب ترین پیرایۂ بیان میں یہ مسئلہ آپ حضرات کے سامنے رکھ سکوں۔

ان مسائل پر گفتگو کرتے وقت گویا ہم یہ فرض (SUPPOSE) کر رہے ہیں کہ ابتدائی مراحل کسی معاشرہ میں مکمل ہو چکے ہیں یعنی خالص اسلام کی دعوت پر ایک تحریک اٹھی۔ اس کو اس معاشرہ میں مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسے RESPONSE ملا۔ لوگوں نے شعوری طور پر اس دعوت کو قبول کیا۔ پھر وہ منظم ہوئے اور سمع وطاعت والی ایک تنظیم کا نظام قائم ہو گیا۔ پھر یہ کہ ان کی تعداد بھی اتنی معتدبہ ہو گئی کہ وہ تنظیم اب رائج نظام کو چیلنج کرنے کی پوزیشن میں ہے۔ پھر یہ کہ تنظیم کے کارکنوں کی تربیت بھی ایسی ہو چکی ہے کہ ان کے انفرادی کردار واخلاق اور ان کی سیرت کے اعتبار سے ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ان کے متعلق یہ حسنِ ظن موجود ہے کہ وہ فی الواقع اپنی انفرادی زندگی میں اپنے امکان بھر اسلام عملاً نافذ کر چکے ہیں اور انہوں نے تزکیہ کے مراحل بھی طے کر لئے ہیں اور ان کے دل راہ حق میں قربانیاں دینے کے لئے بے تاب ہیں..... تو یہ ہیں مفروضات (PRE-SUPPOSITIONS) جن پر ہم آگے گفتگو کریں گے اس لئے کہ آخری مرحلہ کی بات ہو رہی ہے۔ یہ بات پیش نظر رکھئے کہ یہ اس مرحلہ کی بات ہے جو کسی انقلابی عمل کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔ یہ آج کا مسئلہ نہیں ہے یہ فوری طور

پر عمل کرنے والی بات نہیں ہے۔ ہم اس آخری مرحلہ کو صرف علمی طور پر سمجھ رہے ہیں۔
—— مزید برآں ہمارا سابقہ ایسے حالات سے ہے کہ ایک مسلمان معاشرہ میں جو ایمان اور عمل دونوں کے اعتبارات سے سخت مضمحل ہو چکا ہے نیز جس میں حکومت کرنے والے بھی مسلمان ہیں۔ خواہ وہ بادشاہ ہوں 'جیسے سعودی عرب اور دوسرے عرب ممالک میں ہیں' چاہے وہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹرز ہوں جیسے ہمارے ملک اور ترکی و انڈونیشیا میں ہیں! خواہ وہ جمہور کے منتخب نمائندے ہوں جیسے بہت سے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم ہیں..... بہرحال کچھ بھی ہو مسلمانوں کا معاشرہ ہے اور حکمران بھی مسلمان ہیں۔ ان کی تکفیر نہیں کی گئی ہے۔ اپنی نجی زندگیوں میں وہ کچھ بھی ہوں۔ فاسق و فاجر ہوں' یا نمازی اور روزہ دار ہوں' دونوں صورتوں میں وہ مسلمان ہیں..... لیکن اس معاشرہ میں اسلامی نظام قائم نہیں ہے تو اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر صحیح و حقیقی اسلامی نظام کے قیام و نفاذ اور رواج کے لئے آخری اقدام کی صورت کیا ہو گی یا بالفاظ دیگر کیا ہو سکتی ہے جو مسلح تصادم کا بدل (ALTERNATIVE) بن سکے!!

ایک اسلامی تحریک کے اوصاف..... آگے بڑھنے سے قبل بات کی تفہیم کیلئے میں ایک بار پھر ایسی تحریک کے اوصاف گنوا دیتا ہوں جو ٹھیٹھ اسلامی انقلاب برپا کرنے کیلئے کسی معاشرہ میں اٹھی ہو۔ وہ تحریک کسی فرقہ واریت کی بنیاد پر نہ اٹھی ہو۔ وہ محض رائج الوقت نظام کی کسی جزوی اصلاح کیلئے نہ اٹھی ہو۔ وہ صرف کسی انتخابی عمل کے ذریعہ اس نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنے کیلئے میدان میں نہ آئی ہو' بلکہ اس جماعت کا مقصد خالص اسلامی انقلاب برپا کرنا ہو یعنی معاشرہ میں علمی و عملی دونوں اعتبارات سے توحید کے نفاذ و انعقاد کی جدوجہد ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو..... پھر یہ کہ ایک معتدبہ تعداد میں لوگوں نے اسے شعوری طور پر قبول کیا ہو۔ پھر یہ کہ وہ منظم ہو چکے ہوں اور منظم بھی اس درجہ میں کہ "وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا" کی کیفیت پیدا ہو گئی ہو۔ پھر دعوت و تبلیغ کے دوران انہوں نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ہو۔ وہ کبھی مشتعل نہ ہوئے ہوں۔ انہوں نے کبھی بھی گالی کا جواب گالی سے نہ دیا ہو..... یعنی وہ ان مراحل سے بڑی حد تک گزر چکے ہوں' جن کا مطالعہ صبر محض کے عنوان کے تحت ہم سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مکی دور کے حالات کے ضمن میں کر چکے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ

علیہم اجمعین نے سختیاں جھیلیں ہیں' استہزاء اور تمسخر برداشت کیا ہے۔ ذہنی وجسمانی تشدد جھیلا ہے۔ معاشرہ نے اہل ایمان کا بائیکاٹ کیا ہے۔ شعب بنی ہاشم کی تین سالہ جاں گسل محصوری سے سابقہ پیش آیا ہے۔ ایمان لانے والے سعید وصالح نوجوانوں کو ان کے خاندان والوں نے گھروں سے نکالا ہے۔ ان پر معیشت کا دائرہ تنگ سے تنگ تر کیا گیا ہے۔ لیکن وہ ان سب کو جھیلتے اور برداشت کرتے ہوئے توحید کا علم ہاتھ میں لئے توحیدی انقلاب اور توحیدی نظام قائم کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں..... کسی ادنیٰ درجہ میں اس جماعت کے وابستگان میں بھی ان باتوں کی کوئی جھلک نظر آ رہی ہو۔

نقطۂ توحید کی تفسیر..... زبان پر نظامِ توحید جس کی ایک تعبیر اسلامی انقلاب ہے بے ساختہ آ گیا۔ لیکن اس وقت موقع نہیں ہے کہ میں توحید کے عملی تقاضوں کو بیان کروں اور یہ بتاؤں کہ توحید انسان کی اجتماعی زندگی کے جملہ شعبوں اور گوشوں کو کس طرح اپنی گرفت میں لیتی ہے۔ اس پر میں تفصیل سے مختلف مواقع پر گفتگو بھی کر چکا ہوں اور "اسلام کا انقلابی منشور" کے عنوان سے تنظیم اسلامی کی جانب سے آٹھ صفحات کا پمفلٹ بھی لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر بعض بڑے شہروں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ مختصر طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ توحید کی بنیاد پر جو نظام قائم ہوتا ہے صرف اور صرف وہی نظامِ عدل وقسط کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے۔ یہ نظامِ توحید ہی سماجی سطح پر کامل انسانی مساوات قائم کرتا ہے۔ نسل' رنگ' زبان' پیشہ اور جنس کی بنیاد پر نہ کوئی بلند واعلیٰ ہوتا ہے نہ کوئی کم تر و پست..... پھر مرد و عورت کے منصفانہ طور پر حقوق اور فرائض کو متعین کرتا ہے..... معاشی سطح پر یہ نظام ملک کے ہر شہری کی ناگزیر بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کا ذمہ دار ریاست کو قرار دیتا ہے۔ آجر و مستأجر (مزدور و کارخانہ دار) کے درمیان عدل وانصاف اور اخوت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ جاگیرداری کی لعنت کا مکمل خاتمہ کرتا ہے..... اس نظامِ توحید میں سیاسی سطح پر حاکمیتِ مطلقہ صرف اللہ کی ہوتی ہے..... ملک کی پارلیمنٹ یا اسمبلی "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کے اصول پر شریعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے دیگر انتظامی وفلاحی امور کے لئے قانون سازی کی مجاز ہوتی ہے' لیکن وہ اللہ ورسول یعنی کتاب وسنت میں بیان کردہ حدود وتعزیرات میں ایک شوشہ کے برابر بھی تغیّر وتبدّل کی مجاز نہیں ہوتی..... یہ بات بطور جملہ ہائے معترضہ بیان ہو گئی۔ اب آیئے اصل موضوع کی طرف.....

اِقدام کا مرحلہ..... ہم اس مفروضے کو سامنے رکھ کر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک اسلامی تحریک مختلف مراحل سے گزر کر اقدام کے مرحلہ تک آ گئی تو بحالاتِ موجودہ اقدام کی صورت کیا ہوگی..... ظاہر ہے کہ اقدام کے بغیر نظام نہیں بدلے گا۔ بیٹھے رہیں گے تو وہ نظام خود بخود تبدیل نہیں ہو گا۔ اسی موقع پر یہ بات بھی گرہ میں باندھ لیجئے کہ محض وعظ و نصیحت سے بھی ہرگز ہرگز کوئی نظام تبدیل نہیں ہوتا..... البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس فاسد نظام میں چند نیک، صالح باکردار اور متقی لوگوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ نظام کی تبدیلی کے لئے اقدام ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر انقلاب نہیں آتا..... تو ہمارے دور میں اگر کوئی اسلامی تحریک ابتدائی مراحل سے گزر کر اقدام کے مرحلہ تک پہنچ جائے تو ایک مسلمان معاشرہ اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف اقدام کی نوعیت اور شکل کیا ہوگی!!..... یہ ہے اصل سوال جس پر غور کرنے اور کسی نتیجہ تک پہنچنے کے لئے آج کی گفتگو ہو رہی ہے۔

مسلّح بغاوت کی شرعی حیثیت

ایک غلط فہمی کا ازالہ..... اس ضمن میں سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بعض حضرات کے ذہنوں میں جو یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ کسی مسلمان حکمران کے خلاف مسلح اقدام کی شریعت میں سرے سے کوئی گنجائش نہیں ہے تو یہ ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ اگرچہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن یہ بھی متفق علیہ بات نہیں ہے کہ کسی بھی حالت اور کسی بھی صورت میں کسی مسلمان حکمران کے خلاف خروج نہیں ہو سکتا یا بغاوت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اگر آپ اس کو تسلیم کر لیں گے تو اس کے معنی تو یہ ہوں گے کہ فساق و فجّار کی حکومت کبھی ختم نہیں ہو گی۔ جو فاسق و فاجر ایک بار مسلّط ہو گیا تو پھر اس کا یہ تسلّط دائمی ہو گا اور سوائے زبانی و کلامی نصیحت کرنے یا خاموش رہنے کے کوئی عملی اقدام کرنے کا حق و اختیار باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ اکثر حالات میں تو زبان پر بھی پہرے بٹھا دیئے جائیں گے کہ تنقید تو کجا، دلسوزی، ہمدردی اور خیر خواہی سے نصیحت کرنے پر بھی زبان بندی کر دی جائے گی۔ ایسی صورت میں ظاہر بات ہے کہ وہ تسلّط باقی رہے گا اور کبھی ختم نہیں ہو گا۔

حضرت حسینؓ کا اقدام..... اسی سلسلہ میں، میں یہ بھی عرض کر دوں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اقدام فرمایا اور صرف حضرت حسینؓ ہی نے نہیں فرمایا بلکہ

حضرت عبداللہ بن زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اقدام فرمایا..... تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی یہ باور نہیں کر سکتے کہ ان حضرات گرامیؓ کا اقدام خلافِ شریعت تھا یا وہ کوئی ناجائز کام کر رہے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اجتہادی خطا ..... میں یہ بات بہت پہلے تفصیل سے کہہ چکا ہوں..... 'سانحۂ کربلا' کے نام سے میری تقریر مطبوعہ شکل میں موجود ہے کہ اس مسئلہ میں اختلافِ رائے کی گنجائش ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ یہ اجتہادی مسئلہ تھا۔ اگر حضرت حسین ابن علی اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اقدامات کئے تو یہ ان حضرات کی اجتہادی غلطی تو ہو سکتی ہے۔ اس میں خطا کا امکان ہو سکتا ہے لیکن اسے ناجائز کام یا ہوسِ اقتدار ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا شائبہ بھی دل میں آگیا تو عدالتِ خداوندی میں لینے کے دینے پڑ سکتے ہیں۔ یہی معاملہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے کے متعلق کہا جائے گا کہ اگر انہوں نے ان حضراتؓ کو اقدام کرنے سے روکا اور یزید کی بیعت کر لی تو یہ ان کی اجتہادی رائے ہے جس میں خطاء کا امکان ہے۔ لیکن اس کو حرام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دو انتہاؤں کے درمیان میں ہمارے سَلف و خَلف کے علمائے ربّانی کی رائے یہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ گنجائش تو موجود ہے۔ اس لئے کہ اگر دین کے اندر گنجائش کوئی نہ ہو تو کیا حضرت حسین ابن علی اور عبداللہ ابن زبیر اور عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کوئی ایسا کام کر سکتے تھے کہ جس کی دین میں قطعی ممانعت ہو! گویا کہ کسی ناپسندیدہ مسلمان حکومت کے خلاف خروج کی گنجائش ہے تب ہی تو ان دونوں بزرگوں نے اقدامات کئے۔ البتہ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس اقدام کے لئے موقع و محل بھی مناسب ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق خالص اجتہاد سے ہے جس میں خطاء و صواب دونوں کا برابر امکان موجود رہتا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے میں عرض کروں گا کہ اس بات کو ذہن سے نکال دیجئے کہ مسلمان حکمران کے خلاف خروج اور بغاوت سرے سے ہو ہی نہیں سکتی۔

حنفی مسلک ..... میں تو اس سے بھی آگے کی بات عرض کروں گا کہ ہمارے اس ملک میں بسنے والے سُنّی مسلمانوں کی عظیم ترین اکثریت حنفی المسلک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف یہی ہے کہ اقدام ہو سکتا ہے اور خروج ہو سکتا ہے۔ البتہ اس کے لئے شرائط بڑی کڑی ہیں' اس میں کوئی شبہ نہیں..... امام صاحب رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی سے معلوم

ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تائید بھی کی تھی اور ان کو مالی اعانت بھی فراہم کی تھی جنہوں نے بنو عباس کی حکومت کے خلاف خروج کیا تھا۔ البتہ امام صاحب نوّر اللہ مرقدہ بنفسِ نفیس میدان میں نہیں آئے تھے۔ تاریخ کی تمام مستند کتابوں میں ان باتوں کا ثبوت موجود ہے..... میں جو بات واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دینی اور شرعی اعتبار سے ایسا معاملہ نہیں ہے کہ کسی حال میں بھی، کسی صورت میں بھی کسی فاسق وفاجر حکمران کے خلاف خروج یا بغاوت نہ کی جاسکے۔ البتہ فقہائے احناف نے اس کے لئے شرطیں بڑی کڑی لگائیں ہیں۔

کڑی شرائط کیا ہیں..... ایک شرط تو یہ ہے کہ حکمرانوں کی طرف سے کھلم کھلا اور برملا کسی ایسی بات کا ظہور ہو رہا ہو جو خلافِ اسلام ہے۔ مثلاً اپنے گھر میں بیٹھ کر کوئی شخص شراب پی رہا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہو جائے گا۔ لیکن اگر وہ شراب نوشی کی ترویج کر رہا ہو، لوگوں کو اس کے استعمال کی ترغیب و تشویق دے رہا ہو تو معاملہ مختلف ہو جائے گا۔ ایسے حکمران کو معزول کرنے کے لئے قوت فراہم کرنا اور خروج کرنا بالکل جائز اقدام ہو گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس نظام کو بدلنے کے لئے جو لوگ اٹھیں ان کی طاقت اور ان کے اثرات اتنے زیادہ ہو چکے ہوں کہ وہ یقین رکھتے ہوں کہ ہم تبدیلی برپا کر دیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تھوڑی سی طاقت کے ساتھ تصادم کا آغاز کر دیں، جس کا نتیجہ بدامنی ہو گی اور وہ لوگ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ بلکہ صورت یہ ہونی چاہئے کہ بحالاتِ ظاہر یہ امید واثق ہو کہ ہم نظام کو بدل سکتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کر دیں اور نظام جوں کا توں قائم رہے..... تو یہ ہے اس مسئلہ کی خالص دینی اور شرعی حیثیت۔

ایک قابلِ لحاظ نکتہ..... لیکن اگلی بات ہے جو میرے نزدیک اہم ترین ہے اور وہ یہ ہے کہ بالفعل یہ صورت پیدا ہو چکی ہے کہ اب خروج و بغاوت کا امکان موجود ہے ہی نہیں۔ چونکہ صورت حال یہ بن چکی ہے کہ اُس زمانہ میں " STANDING ARMIES " (باقاعدہ تنخواہ دار فوجیں) نہیں ہوتی تھیں۔ اگر ہوتی بھی تھیں تو بہت کم..... جبکہ آج کل قریباً ہر حکومت کے پاس لاکھوں کی تعداد میں تربیت یافتہ اور منظم فوجیں ہوتی ہیں۔ اُس دور میں یہ صورت موجود نہیں تھی ۔ ثانیاً اُس دور میں جس نوع کا اسلحہ فوجوں کے پاس ہوتا تھا قریباً اُسی نوع کا عوام کے پاس بھی ہوتا تھا۔ اس میں مقدار کا فرق تو ہو سکتا ہے۔ لیکن وہی تلواریں، وہی

نیزے' وہی تیر' وہی ڈھالیں فوج کے پاس ہیں تو عوام کے پاس بھی ہیں۔ تو اس زمانہ میں نسبت و تناسب کا کوئی نہ کوئی ایک معاملہ موجود تھا۔ لیکن اب جو تمدن کا ارتقاء ہوا ہے تو یہ صورت باقی نہیں رہی ہے۔ حکومت کے وسائل' اس کی طاقت' اس کی فوجیں' ان کے اسلحہ کے معاملہ کی نوعیت بالکل بدل چکی ہے۔ اب سرے سے کوئی نسبت و تناسب موجود ہی نہیں ہے۔ حکومت کی افواج نہ معلوم کس کس نوعیت کے اعلیٰ سے اعلیٰ اسلحہ سے لیس ہیں اور اس طرح حکومت ایک قوی ترین ادارہ بن چکی ہے۔ جبکہ عوام قریباً بالکل نہتے ہیں۔ تو یہ فرق و تفاوت اتنا عظیم ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا..... لہٰذا خروج اور بغاوت بحالاتِ موجودہ تقریباً خارج از بحث ہو چکی ہے۔ شرعی اعتبار سے نہیں' حالات کے اعتبار سے اب اس کا کوئی امکان نہیں ہے۔

ایک اہم سوال..... ان تمام تنقیحات کے بعد ہمارے سامنے یہ سوال آتا ہے کہ اس چھٹے مرحلہ کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا! اس کا بدل (ALTERNATE) کیا ہو گا..... ؟ اس سوال کے براہِ راست جواب سے قبل ضروری ہے کہ دو اہم امور کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔

تمدنی ارتقاء سے پیدا شدہ دو اہم تبدیلیاں

جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ تمدنی ارتقاء نے یہ شکل پیدا کی ہے کہ حکومت کے پاس قوت اور طاقت بے انتہا ہوتی ہے۔ فوج اس کی پشت پناہ ہوتی ہے..... اسی موقع پر یہ بات بھی پیشِ نظر رکھئے کہ بات پاکستان کی نہیں ہو رہی بلکہ علمی اور اصولی نقطۂ نظر سے ہو رہی ہے۔ آخر یہ مسئلہ شام میں بھی تو درپیش ہے۔ شام میں الاخوان المسلمون نے اسلام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی ہے لیکن مقابلہ کس سے ہے! حافظ الاسد کی حکومت سے' جس کے پاس فوج ہے جو بے انتہا جدید ترین اسلحہ سے لیس ہے' جس کے پاس ذرائع و وسائل موجود ہیں۔ اور جس کی پشت پر روس جیسی سپر پاور موجود ہے۔ لہٰذا الاخوان المسلمون کچلے جا رہے ہیں اور ان کی مسلح جدّوجہد ختم ہو چکی ہے' دم توڑ چکی ہے..... پھر آپ خود سوچئے کہ اسی طرح کا مسئلہ افغانستان میں ہو رہا ہے کہ نہیں!۔ کارمل بظاہر تو مسلمان ہے۔ میں نے آج تک تو نہیں سنا کہ اس کی تکفیر کی گئی ہو۔ اس کے ساتھ جو افغانی فوج ہے' وہ چاہے ہوتے ہوتے سکڑ گئی ہو' لیکن وہ سب کے سب بہرحال مسلمان تھے اور ہیں۔ مسلمان ماؤں کا دودھ پیئے ہوئے ہیں۔ لیکن

چونکہ فوج کا جدید تصور یہ ہے کہ جو شخص یا گروہ اقتدار میں ہو یا کسی طرح اقتدار میں آجائے تو فوج اس کا حکم مانے اس کو تحفظ (PROTECTION) دے۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ مجھے تو دکھ ہوتا ہے جب خبریں آتی ہیں کہ اتنے کارمل فوجی مجاہدین کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے جبکہ میں جانتا ہوں کہ مجاہدین 'اسلام کے لئے' حریت کے لئے اور خدانا آشنا بلکہ خدا دشمن روسی جارحیت کے خلاف جنگ کر رہے ہیں۔ اس لحاظ سے ان کی کامیابی پر خوشی ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس میں دکھ کا یہ پہلو موجود ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے بھی تو مسلمان ہیں۔ وہ ایک حکومت کے حکم کے تحت جنگ کر رہے ہیں..... دونوں طرف سے مسلمانوں ہی کا خون بہہ رہا ہے۔ روسی فوج کے لوگ تو کارمل فوج کے مقابلہ میں کم ہی مرے ہوں گے۔ دونوں طرف سے ایک دوسرے کے ہاتھوں مسلمان ہی ہلاک ہو رہے ہیں۔ لہٰذا یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ نہیں 'کہ آیا ایک فاجر و فاسق حکومت کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں! اگر مسئلہ یہ ہوتا کہ کسی طور پر بھی خروج اور مسلح بغاوت جائز نہیں تو آج ہمارے جو افغانی بھائی کارمل فوجوں سے نبرد آزما ہیں وہ "مجاہدین" کہلانے کے بجائے باغی کہلاتے۔ لہٰذا ہر ملک کے علیٰحدہ علیٰحدہ مسائل ہیں اس صورت کے پیش نظر ہمیں پاکستان کے حالات کو ایک طرف رکھ کر اصولی طور پر بات سمجھنی ہو گی..... اب سابقہ سلسلۂ کلام سے تعلق جوڑیئے تو میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں تمدنی ارتقاء نے حکومت کے ہاتھ میں بے پناہ قوت فوج کی شکل میں دے دی ہے وہاں اسی تمدنی ارتقاء کی بدولت دو اہم تبدیلیاں اور بھی آئی ہیں۔ دینی مزاج کے ہمارے اکثر لوگ ان تبدیلیوں سے واقف نہیں ہیں چنانچہ جب میں اسلامی انقلاب کے چھٹے مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کی بات کرتا ہوں اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں اور میری تنظیم پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے کوشاں ہے تو وہ چونک جاتے ہیں کہ ڈاکٹر اسرار تو مسلح بغاوت کی بات کر رہا ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑوانا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ جب سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے فلسفۂ انقلاب اخذ (INFER) کیا جائے گا اور حضورؐ کی سیرتِ مبارکہ کے معروضی مطالعہ سے انقلابِ محمدیؐ کے مراحل و مدارج کے تعیّن کی کوشش کی جائے گی تو لامحالہ چھٹے اور آخری مرحلہ کے طور پر مسلح تصادم کا ذکر آئے گا..... میں نے اس موضوع پر جب بھی کہیں تقریر کی ہے تو ان متبادل طریقوں کا بھی ذکر کیا ہے جو تمدن کے موجودہ ارتقاء نے دنیا کو دیئے ہیں' جن پر میں آج اظہار خیال کر رہا ہوں۔

ریاست اور حکومت کا فرق..... انسانی تمدن کے بتدریج ارتقاء کے نتیجہ میں سب سے اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی ہے کہ آج کے دور میں "ریاست" اور "حکومت" دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں تسلیم کی جاتی ہیں جبکہ آج سے دو سو سال قبل یہ صورتحال موجود نہیں تھی۔ حکومت ہی کو ہم جانتے تھے۔ 'ریاست' کس چڑیا کا نام ہے! اسے ہم جانتے ہی نہیں تھے۔ ادھر کوئی شخص حکومت کے خلاف کھڑا ہوا ادھر اسے فوراً باغی گردان کر گردن زدنی قرار دے دیا گیا۔ لیکن یہ صورتحال اس دور میں بدل چکی ہے..... اب یہ معاملہ ختم ہو چکا ہے..... انسانی فکر اور انسانی تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے اس کے تحت اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ 'ریاست' ایک بالکل علیٰحدہ شے ہے اور حکومت صرف ریاست کے معاملات کو چلانے والا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ کسی ملک کے رہنے والے دستوری اور آئینی طور پر درحقیقت 'ریاست' کے وفادار ہوتے ہیں، حکومت کے نہیں ہرچند حکومت کی اطاعت تو وہ کرتے ہیں لیکن دراصل جس شے کو وفاداری کہا جاتا ہے وہ 'ریاست' کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ پاکستان ایک ریاست ہے۔ اس ریاست کو چلانے والی ایک حکومت ہے جو اس ریاست کا ایک انتظامی ادارہ ہے۔ یہ حکومت بدلتی بھی رہتی ہے۔ آج کسی کی ہے تو کل اور کی ہے۔ کبھی سول (CIVIL) کی ہے تو کبھی ملٹری (MILITARY) کی، کبھی ایوب صاحب کی تھی کبھی یحییٰ صاحب کی۔ پھر بھٹو صاحب آئے۔ ان کے بعد سے قریباً ساڑھے سات سال سے مسندِ اقتدار پر جنرل ضیاء الحق صاحب متمکن ہیں۔ پس حکومت تو آنی جانی شے ہے۔ جس شے کو دوام ہے، جو چیز تسلسل کی حامل ہے، وہ تو درحقیقت ریاست ہے، لہٰذا کسی بھی ملک کے رہنے والوں کی اصل وفاداری ریاست سے ہوتی ہے، حکومت سے نہیں ہوتی۔

تمدن کے ارتقاء اور فکرِ انسانی کی وسعت کے نتیجہ میں دوسری اہم تبدیلی یہ آئی ہے کہ آج پوری دنیا میں یہ بات مسلّم سمجھی جاتی ہے کہ کسی حکومت کو بدلنے کا حق اس ملک کے رہنے والوں کو حاصل ہے..... کوئی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ کوئی مستقل قسم کی حکومت ہے۔ جو بھی کہے گا یہی کہے گا کہ یہ وقتی اور عارضی انتظام ہے۔ حالات خراب ہو گئے تھے۔ انتشار ہو گیا تھا۔ خانہ جنگی کا اندیشہ لاحق تھا۔ لہٰذا فساد کو روکنے کے لئے یہ فوری نوع کا اقدام بطور فوری علاج کیا گیا ہے۔ وقتی طور پر حکومت کے انتظام کو فوج نے سنبھالا ہے۔ ہمارا اس کو مستقل قائم رکھنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے کوئی بھی ایسا حکمران جو جمہوری طریقہ سے برسرِ اقتدار آیا ہو یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب اس کی یا اس کے خاندان کی اس ملک

پر مستقل حکومت رہے گی۔ البتہ جہاں ملوکیت اور بادشاہت (MONARCHY) قائم ہے وہاں معاملہ تاحال سابق انداز پر چل رہا ہے کہ وہاں خاندانی حکومتیں قائم ہیں۔ وہاں ریاست و حکومت کا کوئی علیحدہ تصور موجود نہیں ہے۔ وہاں کوئی سیاسی جماعت بنانے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ جہاں جماعت بنی اس کا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ صاحب کو ہٹانے کی کوئی کوشش پیشِ نظر ہے۔ تو وہ نظام چند ممالک میں تاہنوز چل رہا ہے اور "اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو" کے مصداق فی الحال ان کا معاملہ ایک طرف رکھئے۔ البتہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ یہ زیادہ دیر چلنے والا انتظام نہیں ہے اس کے گرد جو دیواریں ہیں وہ بہت بوسیدہ ہو چکی ہیں اور گرا ہی چاہتی ہیں اب کوئی دیر کی بات ہے اس کو ختم ہونا ہی ہونا ہے اور وہ بات ہو کر رہے گی جو اپنے زوال کے وقت شاہ فاروق نے کہی تھی کہ "دنیا میں صرف پانچ بادشاہ رہ جائیں گے چار تاش کے ہوں گے اور ایک انگلستان کا ہو گا"..... اس لئے کہ انگریزوں نے بادشاہت کو ایک نمائشی اور آرائشی علامت (DECORATION PIECE) کی حیثیت سے اپنے یہاں سجا کر رکھا ہوا ہے۔ باقی اس کے سوا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے چونکہ روایت پرستی اس قوم کے مزاج میں رچی بسی ہے لہٰذا وہ روایتی طور پر اس کو نباہ رہے ہیں ورنہ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہاں اصل اقتدار و اختیار پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔

اس نقطۂ نظر سے یہ بات جان لیجئے کہ ساری دنیا مانتی ہے کہ ایک ملک کے رہنے والوں کا یہ مسلّم حق ہے کہ وہ آئینی و دستوری طور پر حکومت بدل سکتے ہیں۔ مدّت سے قبل نئے انتخابات کا مطالبہ لے کر کھڑے ہو سکتے ہیں..... یہ بالکل استثنائی صورتحال ہے کہ ہنگامی حالات سے فائدہ اٹھا کر کوئی جنرل بحیثیت چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اقتدار پر قبضہ کر لے اور رائے دہندگی کے حق کو معطل (SUSPEND) کر دے۔ اب میں اس بحث میں نہیں جاؤں گا کہ یہ تعطّل جائز ہے کہ ناجائز ہے۔ بہرصورت ہنگامی حالات اور مارشل لاء ایک عارضی انتظام کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی کوئی مستقل نوعیت کسی بھی متمدّن ملک میں آج تک تسلیم نہیں کی گئی ہے..... بلکہ ایسے حالات میں حکمرانوں سے یہ توقعات وابستہ کی جاتی ہیں کہ خراب حالات پر جلد از جلد قابو پا کر دستور کے مطابق ملک میں صحت مندانہ انتخابات کرا کے عوام کے نمائندوں کو اقتدار سونپ دیا جائے۔

یقیناً آپ کو یہ بات معلوم ہو گی کہ دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ قابلِ تسلیم (ACCEPTABLE) بات یہی سمجھی جاتی ہے کہ ملک کے رہنے والوں کو سیاسی جماعتیں بنانے کا

حق حاصل ہے اور ہر پارٹی کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ وہ موجود الوقت حکومت کو ہٹانے کے لئے اپنی انتخابی مہم چلائے۔ اس پر دل کھول کر اور تلخ و تند تنقیدیں کرے۔ رائے عامہ کو اپنی پارٹی کے حق میں ہموار کرے تاکہ حکومت اس پارٹی کی قائم ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ پابندی یہ لگائی جاتی ہے کہ سرکاری ملازم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو کر اسکی انتخابی جدوجہد میں شرکت نہیں کر سکتے اور انتخاب میں بھی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ وہ ریاست کے ملازم اور کارکن ہیں۔ ریاست کی طرف سے ان کو کچھ اختیارات ملے ہوئے ہیں اگر وہ کسی سیاسی پارٹی سے عملاً وابستہ ہوں گے تو ان کے ہاتھ میں جو اختیارات ہیں ان کے غلط استعمال کا اندیشہ ہے..... باقی رہا ووٹ دینے کا معاملہ! تو یہ حق ان کا برقرار رہے گا۔ اس پر کہیں کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی۔ عوام کی رائے سے حکومت میں تبدیلی ہو گی اور اس معاملہ میں سرکاری ملازمین ہی نہیں بلکہ فوجیوں کو بھی حق ہو گا کہ اپنی پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دیں۔

اس پہلو سے یہ بات جان لیجئے کہ تمدن کا جو ارتقاء ہوا ہے' اس نے یہ متبادل طریقے (ALTERNATE PROCEDURE) عطا کئے ہیں جبکہ اس سے پہلے یہ صورت نہیں تھی۔ ریاست اور حکومت کا تصور گڈمڈ تھا اور حکومت کو ہی ریاست کا مقام بھی حاصل تھا۔ نیز حکومت کو بدلنے کی کوشش کو بغاوت سمجھا جاتا تھا..... جبکہ اب صورتحال بالکل بدل چکی ہے۔ ریاست اور حکومت دو مختلف تصورات ہیں اور کسی بھی ملک کے باشندوں کو آئینی طور پر یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومت کو بدل دیں۔

خلافتِ راشدہ کے نظام کی نوعیت

میں آج صبح جب اس تقریر کے متعلق سوچ رہا تھا تو خلافتِ راشدہ کا نظام بھی زیر غور آیا۔ چونکہ وہ نظامِ حکومت ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو آگے بڑھانے والا نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ ہی کا تو ہے۔ لیکن اس احترام و توقیر کے علی الرّغم ایک بات جان لیجئے کہ اس کے ساتھ دو محدودیتیں (LIMITATIONS) موجود تھیں..... ایک تو یہ کہ اس وقت بنیادی طور پر عرب میں ایک قبائلی (TRIBAL) سوسائٹی قائم تھی۔ لہٰذا جہاں ایک قبائلی نظام پہلے سے موجود ہے اس کے اندر اگر صرف سردارانِ قبائل (CHIEFS OF TRIBES) سے مشورہ کر لیا

جائے' ان کی آراء کو معلوم کر لیا جائے تو گویا ہر قبیلہ کے فرد سے مشورہ کا حق ادا ہو گیا۔ دوسری یہ کہ سرداران کی حیثیت اپنے قبیلہ کے نمائندہ کی ہوتی تھی۔ لہٰذا وہاں فہرست رائے دہندگان کی تیاری' بیلٹ اور انتخاب کے کھکھیڑ مول لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں قبائل کے سردار اور بڑے بڑے خاندانوں کے سربراہ اربابِ حل و عقد کہلاتے تھے۔ کسی معاملہ میں ان سے مشورہ ہو گیا تو گویا "اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" کا تقاضا پورا ہو گیا۔ جبکہ موجودہ دور میں یہ بات نہیں چل سکتی۔ آپ نے دیکھا کہ اس دور کے تقاضے کے تحت چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جیسے مطلق العنان کو بھی ریفرنڈم کا ڈرامہ کھیلنا پڑا۔ اس قسم کی کسی صورتحال کا ثبوت آپ کو خلفائے راشدینؓ کے دور میں تو نہیں ملے گا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس طرز کا سیاسی نظام جو خلافتِ راشدہ میں قائم تھا' جوں کا توں اس دور میں چل سکتا ہے، ایک مغالطہ ہے..... اس میں حالات کی تبدیلی کے پیشِ نظر ایک ایسا نظام بنانے پر غور کرنا ہو گا جس میں اصول تو ختم نہ ہوں' اصول وہی رہیں لیکن ہمیں تمدن کے ارتقاء کے ساتھ طریق کار کو ہم آہنگ کرنا ہو گا۔

ایک قابلِ غور بات..... حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف جب ایک تحریک اٹھی..... اگرچہ میرے نزدیک وہ یہودی سازش تھی۔ شروع ہی سے اس کے عزائم مجرمانہ تھے' اس کے اندر نیک نیتی کا کوئی شائبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کسی نظامِ حکومت میں جہاں بدنیتی کے ساتھ یہ معاملہ ہو گیا' وہاں نیک نیتی کے ساتھ بھی تو یہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ اس امکان کو آپ خارج از بحث نہیں کر سکتے۔ بالکل نیک نیتی کے ساتھ بھی کسی ملک میں ایسی تحریک اٹھ سکتی ہے کہ موجودہ حکمران ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ انہیں معزول ہونا چاہئے اور ان کی جگہ نئی قیادت کا انتخاب ہونا چاہئے..... اس وقت تک ہمارے یہاں اس مقصد کے لئے کوئی 'CHANNELS' موجود نہیں تھے۔ کوئی راستہ نہیں تھا کہ جن کے ذریعہ سے ایسا اختلافِ رائے سامنے آ سکتا۔ درحقیقت تمدنی ارتقاء نے جو متبادل راستے دیئے ہیں انہی کے ذریعہ اختلافِ رائے بھی سامنے آتا ہے اور صحت مند انداز میں وہ اختلاف حل (RESOLVE) بھی ہو سکتا ہے..... چنانچہ تمدنی اور فکری ارتقاء نے اختلاف کے اظہار اور ان کو حل کرنے کے جو طریقے اور راستے (CHANNELS) کھول دیئے ہیں اب ہمیں انہی کو سامنے رکھ کر اسلامی اصولوں کے مطابق اپنے لئے کوئی راہ معیّن کرنی ہو گی۔

بنیادی انسانی حقوق..... تمدنی ارتقاء نے اس بات کو بنیادی انسانی حقوق میں سے ایک حق قرار دیا ہے کہ ایک شخص اپنی جماعت بنائے اور لوگوں کو اپنی بات کا قائل کرے۔ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے۔ اور وہ یہ کام کھلم کھلا اور برملا کرے یہ اس کا آئینی حق ہے..... زیر زمین جانے کی اسے ضرورت نہیں ہے۔ پرامن طریقہ سے ہر پارٹی کو برسرِ اقتدار پارٹی کے خلاف مہم اور تحریک چلانے کا حق پوری دنیا میں اب تسلیم کیا جاتا ہے۔

ہمارے سوچنے کا کام..... ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم تمدنی ارتقاء اور اس انقلاب کو سامنے رکھیں جس نے یہ متبادل طریقے (ALTERNATE PROCEDURES) دنیا کو دیئے ہیں کہ آج یہ امکان موجود ہے کہ حزب اختلاف قائم ہو..... جب تک وہ پارٹی بغاوت نہیں کرتی اور پرامن طور طریقے اختیار کرتی ہے' کوئی قانون اس کے خلاف نہیں جائے گا۔ وہ پارٹی تبلیغ کا حق رکھتی ہے۔ اپنے خیالات کی نشرواشاعت کا حق رکھتی ہے۔ جو لوگ اس کے خیالات کو قبول کریں' انہیں جمع کرنے اور منظم کرنے کا حق رکھتی ہے۔ اسے اپنے طریقِ تنظیم کو اپنی صوابدید کے مطابق اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے سربراہ کو صدر کہے' امیر کہے' کوئی اور اصطلاح اختیار کرے اسے حق ہے۔ جب تک یہ پارٹی بدامنی کی کوئی صورت پیدا نہ کرے' جب تک وہ فساد پیدا نہ کرے' خانہ جنگی کی صورت پیدا نہ کرے اس وقت تک اس کے وہ تمام حقوق مسلّمہ ہیں جو میں نے ابھی بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی حق بھی سلب نہیں کیا جاسکتا۔ الّا یہ کہ ہنگامی صورتحال یا مارشل لاء کا عارضی نظام کچھ عرصہ کے لئے ان کو معطل کر دے..... عارضی شے عارضی کے درجہ میں ہی رہے گی وہ تو ایک استثنائی حالت ہے میں نارمل حالات کی بات کر رہا ہوں جس میں یہ تمام حقوق مسلّم ہیں۔ ان میں سے کسی حکومت کو کوئی حق سلب یا ساقط کرنے کا حق و اختیار حاصل نہیں ہے۔

حالات کا دیانت دارانہ تجزیہ

اب اگر کسی ملک میں خالص اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے ایک جماعت بنتی ہے۔ اگرچہ معاشرہ میں اسلامی شعائر کی پابندی مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج کی اجازت ہے اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ بھٹو صاحب کے دور میں بھی ان شعائر سے روکتا تو کوئی نہیں تھا۔

البتہ یہ فضا بڑی حد تک پیدا ہو گئی تھی کہ بھٹو صاحب کی پارٹی کے اکثر کارکن ان چیزوں کا مذاق اڑانے لگے تھے..... میں جنرل ضیاء الحق صاحب کی اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ آج ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے کہ جس میں ترغیب و تشویق کا عنصر کسی نہ کسی حد تک موجود ہے۔ اب وہ بات نہیں رہی ہے کہ کسی نمازی پر فقرے چست کئے جائیں یا کوئی سرکاری افسر اس بات پر شرمائے کہ وہ اگر کسی فنکشن یا مجلس سے نماز کے لئے اٹھ کر جائے تو لوگ کیا کہیں گے! ماحول میں کچھ نہ کچھ تبدیلی پیدا ہوئی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہی سب کچھ ہے.....؟ ایک شخص کی رائے ہو سکتی ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں ہے' بلکہ ہم نے اوپر کا غازہ مل دیا ہے' حقیقت کے اعتبار سے یہ کچھ بھی نہیں بدلا۔ محض تصنع ہے..... اور حقیقت کے عدم وجود اور تصنع کے ہونے کے باعث عوام کے اندر اسلام سے بد دلی پیدا ہو رہی ہے کہ ہمارے شب و روز تو وہی ہیں جو پہلے تھے۔ بلکہ بگاڑ میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے..... وہی سرمایہ دار کی حکومت ہے' جاگیردار اور زمیندار کی حکومت ہے' وہی رشوت کا لین دین ہو رہا ہے اور دھڑلے سے ہو رہا ہے بلکہ خود سربراہِ مملکت کے بقول اس کے RATES بہت بڑھ گئے ہیں۔ اسمگلنگ کا کاروبار کھلے بندوں ہو رہا ہے سود کا لین دین جاری ہے۔ منشیات کی اندرونی و بیرونی تجارت کھلے عام ہو رہی ہے۔ بلیک مارکیٹنگ کا دھندا مزید زوروں پر ہے۔ ڈاکہ' چوری' لوٹ مار' قتل و غارت کا بازار گرم سے گرم تر ہوتا جا رہا ہے۔ اغوا اور عصمت دری کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں' علاقائی قومیتوں کا احساس مزید ابھر رہا ہے اور ڈر ہے کہ کہیں جلد ہی یہ بہت سے خوفناک عفریتوں کا روپ نہ دھار لے..... استحصالی اور جابرانہ نظام مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ تو ایک طرف حالات کی صحیح تصویر یہ ہے دوسری طرف اسلام آ رہا ہے۔ اسلام آ رہا ہے' کے فلک شگاف نعرے لگائے جا رہے ہیں' بلند بانگ دعوے کئے جا رہے ہیں۔ حالانکہ آج کے اور دس بارہ سال سے قبل کے معاشرہ کا تقابل کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ سرِ مو کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے بلکہ بحیثیتِ مجموعی حالات روز بروز بد تر سے بدترین ہوتے چلے جا رہے ہیں..... بلکہ ہم نے اس معاشرے پر اوپر کا کچھ غازہ مل کر اور کچھ ظاہری ٹیپ ٹاپ کر کے اسے اسلامی معاشرہ کہہ دیا ہے اور ساری دنیا میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ تو ان حالات میں ضروری ہے کہ کوئی کھڑا ہو اور وہ برملا یہ حق بات کہے کہ ہمیں اس دھوکے کا پردہ چاک کرنا ہے اور انقلابی طریقِ کار پر عمل کرتے ہوئے اس نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ صحیح و کامل اسلامی نظام قائم و نافذ کرنا ہے۔ ایسے شخص کا دینی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس کی

دعوت دے 'اس کے لئے وہ لوگوں کو جمع کرے 'انہیں منظم کرے 'ان کی تربیت کا انتظام کرے..... جب تک وہ اس موجود و برقرار 'LAW AND ORDER SITUATION' (امن عامہ کی صورتحال) کے خلاف کوئی اقدام نہیں کرتا، جب تک وہ زبان سے بغاوت کا حکم نہیں نکالتا..... اسے یہ کام کرنے کا آئینی و قانونی حق ہے۔ بلکہ یہ اس کے اپنے ایمان کا تقاضا ہے کہ ابتدائی مراحل کو طے کرنے کی سعی و جہد کرے اور انقلاب لانے کے لئے اقدام کرے۔

ان مراحل میں اولاً دعوت کا مرحلہ ہے۔ پھر لوگوں کی تنظیم ہے 'پھر ان کی تربیت ہے۔ پھر اس دوران اس پر جو تکلیف آئے اسے جھیلنا ہے اس لئے کہ اسے اپنے اوپر اسلام قائم و نافذ کرنا ہے مثلاً ایک شخص کے کاروبار کی کافی وسیع و عریض بساط بچھی ہوئی تھی 'لیکن وہ اگر آج سود کی آمیزش اور آلودگی سے پاک کرنے کی فکر کرتا ہے تو اس کے کاروبار کی بساط لپٹنی شروع ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کے گھر میں رشوت کے ذریعے سے اللے تللے ہو رہے تھے 'آج وہ طے کرتا ہے کہ میں اب رشوت نہیں لوں گا تو اس کے خاندان کو دونوں وقت سادہ ترین غذا بھی شاید بمشکل ملے۔ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے ہی گھر میں صحیح صحیح شرعی پردہ نافذ کر دے تو مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی میں نکو بن کر رہ جائے گا اور اس کے اپنے اعزّا و اقارب اسے دیوانہ اور مجنوں کہنے لگیں گے۔ اس کا مقاطعہ ہو جائے گا۔ عوامی زبان میں اس کا حُقہ پانی بند ہو جائے گا..... یہ سب تکلیفیں وہ جھیلے 'انہیں برداشت کرے۔ ان میں سے کسی بھی مصیبت پر جوابی کارروائی کے متعلق نہ سوچے..... 'RETALIATE' نہ کرے۔ اس میں کہیں جذبات سے مغلوب نہ ہو 'مشتعل نہ ہو 'کسی کو گالی نہ دے ' کوئی ایسا اقدام نہ کرے کہ جس سے امن کا معاملہ درہم برہم ہو۔ یہ ہے اس دور میں ایک سچے مسلمان کی حقیقی تربیت کی کسوٹیاں۔ آج کلمۂ توحید و رسالت پڑھنے پر مار نہیں پڑے گی 'مقاطعہ نہیں ہو گا 'گھروں سے نکالا نہیں جائے گا۔ مجنوں اور دیوانہ نہیں کہا جائے گا۔ تمسخر اور استہزا نہیں ہو گا اور جیسا کہ میں کہا کرتا ہوں کہ اس دور میں اگر کوئی شخص ہزار دانے کی تسبیح لے کر سڑک پر کہیں بیٹھ جائے اور بلند آواز سے کلمہ ادا کرے "حق ہو 'حق ہو" کے نعرے لگائے تو موجودہ معاشرہ ایسے شخص کی بڑی عزت و توقیر کرے گا۔ اسے پہنچا ہوا بزرگ سمجھے گا۔ اس کی خدمت اپنے لئے سعادت سمجھے گا۔ لیکن کوئی شخص کاروبار کو سود سے پاک رکھے 'انکم ٹیکس کی چوری نہ کرے 'رشوت لے نہ دے 'گھر میں صحیح اسلامی پردہ کو نافذ کرے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ اپنے ہی بیگانے بن جائیں گے اور جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا وہ اپنے ہی گھر اور

اپنی ہی قریبی سوسائٹی میں نکو بن کر رہ جائے گا اس کا وہ مذاق اڑے گا کہ توبہ ہی بھلی۔

حاصلِ گفتگو یہ نکلا کہ اگر کسی معاشرہ میں انقلابِ محمدی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے مرحلہ وار کام ہو رہا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا مرحلہ چل رہا ہے، تنظیم کا مرحلہ چل رہا ہے، تربیت کا مرحلہ چل رہا ہے..... اس سلسلہ میں جن تکالیف و مصائب سے سابقہ پیش آ رہا ہے انہیں جھیلا جا رہا ہے اور آئندہ بھی جھیلنے کا عزم ہے تو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے ایک جماعت بنائی جائے گی۔ اب فرض کیجئے کہ یہ جماعت اتنی مضبوط اور مؤثر ہو گئی ہے کہ اقدام کیا جا سکتا ہے تو اس اقدام اور تصادم کے مراحل کے موقع پر وہ جماعت کیا کرے گی.....؟ اس کی نوعیت کیا ہو گی؟ اسی مسئلہ سے بات شروع ہوئی تھی..... تو اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس کے لئے ہمیں تمدن کی موجودہ ارتقائی صورتحال نے کچھ متبادل طریقے دیئے ہیں..... وہ کیا ہیں؟ اب اس مسئلہ پر گفتگو شروع ہوتی ہے..... آپ سے پوری توجہ مرتکز کرنے کی درخواست ہے۔

میرے نزدیک اب اسلامی انقلاب کے لئے اقدام کا واحد راستہ صرف یہ ہے کہ اگر ایک ایسی تنظیم وجود میں آ جائے جو پہلے چار مراحل..... یعنی دعوت، تنظیم، تربیت، اور صبر محض سے گزر چکی ہو تو وہ رائج الوقت نظام اور اس کو چلانے والے انتظامی ادارے (یعنی حکومت) کے مقابلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے کمر کس لے اور جان ہتھیلی پر رکھ کر کھڑی ہو جائے اور صرف زبانی و کلامی بات کرنے کے بجائے علی الاعلان یہ کہے کہ اب فلاں فلاں منکر کام ہم ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ یہ کام اب ہماری لاشوں پر ہو گا۔ پھر اس پر ڈٹ جائے اور ہر نوع کی مالی و جانی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہ کرے..... البتہ اس اقدام میں اس بات کا التزام و لحاظ ضروری ہو گا کہ انہی منکرات کو چیلنج کیا جائے جو تمام مسالک کے ماننے والوں کے نزدیک مسلّم ہوں۔ کسی مسئلہ میں اگر کسی کی شاذ رائے ہو کہ وہ منکر ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر تو تمام مسالک کے لوگوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس پر کوئی تحریک ہی برپا کی جا سکتی ہے۔ ہدف اس کام کو بنانا ہو گا جو سب مسلمانوں کے نزدیک منکر ہو، جو سب کے نزدیک حرام ہو مثال کے طور پر بے حیائی، عریانی، تبرّجِ جاہلیہ، مرد و عورت کے مخلوط اجتماعات کے سارے طور طریقے، عورت کی بطورِ اشتہار تشہیر اور یومِ پاکستان اور یومِ استقلال کے مواقع پر فوج کے ساتھ اللہ کے آخری نبی حضرت محمدؐ کی معنوی نوجوان بیٹیوں کی سڑکوں پر مردوں کے سامنے سینہ تان کر پریڈ..... یہ سب وہ خلافِ شریعت امور ہیں جن کے منکر ہونے کے بارے

میں تمام مذہبی مکاتبِ فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ الغرض میری پختہ رائے یہ ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی انقلابی جماعت منکرات یعنی خلافِ شریعت کاموں کے خلاف مظاہروں کے ذریعے اقدام کا آغاز کرے گی۔ تمدنی ارتقاء نے ان مظاہروں کی بہت سی صورتوں سے دنیا کو روشناس کرایا ہے جن میں پکٹنگ یعنی دھرنا مار کر بیٹھنا' احتجاجی طور پر حکومت کو یا عوام کو کسی کام سے روکنے کے لئے گھیراؤ وغیرہ کرنا بھی شامل ہے۔

اقدام کی لازمی شرائط..... البتہ اس موقع پر ان شرائط کا اعادہ ضروری ہے جن کو اس اقدام یعنی مظاہروں اور دیگر احتجاجی طور طریقوں کو اختیار کرنے کی صورت میں ملحوظ رکھنا لازم ہے..... یعنی اپنی طرف سے ہاتھ بالکل نہیں اٹھانا ہے۔ کسی قسم کی توڑ پھوڑ نہیں کرنی ہے۔ میں بڑی تفصیل سے مکی دور کی مثالیں پیش کر چکا ہوں۔ قریباً بارہ تیرہ برس تک مکہ مکرمہ میں صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) کا جو معاملہ رہا ہے کہ ہر قسم کے جور و ستم اور ظلم و تشدّد کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جس پامردی سے برداشت کیا ہے' اپنی طرف سے جوابی کارروائی تو درکنار مدافعت تک نہیں کی' وہی طرزِ عمل اس اقدام یعنی مظاہروں' گھیراؤ وغیرہ کے معاملہ میں اس انقلابی جماعت کو اختیار کرنا ہو گا۔ یہ نہیں کہ احتجاجی جلوس تو ہم نے نکالا تھا لیکن توڑ پھوڑ کوئی اور کر گیا..... یہ بات غلط ہے۔ اگر ایسی انقلابی جماعت کے اثرات اتنے نہیں ہیں کہ وہ عوام کو پرامن رکھ سکے اور نہ اس کے پاس ایسے کارکن ہیں جو عوام کو کنٹرول کر سکیں اور ہر نوع کی بدامنی کو قابو میں رکھ سکیں تو ایسی صورت میں مظاہروں کا اس تنظیم کو حق نہیں ہے۔ اس اقدام کا مرحلہ اسی وقت آئے گا کہ جب اس انقلابی جماعت کو اپنی امکانی حد تک یہ اندازہ اور معلومات حاصل ہوں کہ ہمارے اپنے زیر اثر اور ہمارے تربیت یافتہ لوگ اتنے ہیں کہ وہ پرامن طریق پر سڑکوں پر آسکتے ہیں اور مظاہرے کر سکتے ہیں اور ان کی اخلاقی ساکھ اتنی مضبوط ہے کہ ان کے مظاہروں کے دوران بدامنی کا کوئی حادثہ نہیں ہو گا۔ اور اگر چند شرپسند لوگ بدامنی پر اتر ہی آئیں تو ان کی تنظیمی طاقت اتنی مضبوط ہو کہ ان اشرار کی گردنیں وہ دبوچیں اس کے بجائے کہ حکومت کی انتظامیہ کو ان کی گردنیں دبوچنے کی ضرورت پیش آئے' وہ خود ان پر قابو پا کر انہیں حکومت کے حوالے کریں کہ یہ ہم میں سے نہیں ہیں۔ یہ تخریب کار عناصر ہیں جو اس پرامن اور عدم تشدد کی اسلامی تحریک کو سبوتاژ اور درہم برہم کرنے کے لئے آ گئے ہیں..... اس انقلابی تنظیم کے تربیت یافتہ جلوس نہ بسوں کو جلائیں گے نہ نیون سائنوں اور ٹریفک سگنلوں کو توڑیں گے نہ ہی وہ کسی نجی یا سرکاری

املاک کو نقصان پہنچائیں گے..... ان جلوسوں اور مظاہروں کا مطالبہ یہ ہو گا کہ فلاں فلاں کام شریعت کی رو سے منکر ہیں، حرام ہیں، ہم ان کو کسی حال میں نہیں ہونے دیں گے۔ حکومت گرفتار کرے تو مظاہرین کوئی مزاحمت نہیں کریں گے۔ لاٹھی چارج کرے تو اسے جھیلیں گے۔ آنسو گیس کے شیل برسائے تو برداشت کریں گے۔ حتیٰ کہ گولیاں برسائے تو خوشی خوشی اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ لیکن نہ پیچھے ہٹیں گے اور نہ اپنے موقف کو چھوڑیں گے۔

میں جب انقلابی طریقِ کار کی بات کرتا ہوں تو بعض حضرات کو یہ غلط فہمی لاحق ہو جاتی ہے کہ میں حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت اور مسلح تصادم کی بات کرتا ہوں۔ بعض حضرات دانستہ یہ غلط فہمی پیدا کرتے ہیں حالانکہ میں اپنی متعدد تقریروں میں یہ بات واضح کر چکا ہوں کہ انقلابی طریق کار کا مطلب لازماً یہ نہیں ہے کہ مسلح بغاوت اور تصادم ہو بلکہ موجودہ دور میں یہ بات قریباً خارج از بحث ہے چونکہ اولاً تو سابقہ ایک ایسے معاشرے اور ایک ایسی حکومت سے ہے جو قانوناً مسلمانوں پر مشتمل ہے ثانیاً یہ کہ حکومت کے پاس باقاعدہ تربیت یافتہ اور جدید اسلحہ سے لیس فوج موجود ہے جبکہ عوام الناس نہتے ہیں لہٰذا ان دونوں اعتبارات سے فی زمانہ مسلح تصادم اور بغاوت کے راستے..... معدوم کے درجے میں آتے ہیں چنانچہ اب ہمیں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں وہ طریقہ اختیار کرنا ہو گا جس سے دورِ جدید کے تمدنی ارتقاء نے لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ آج عوام عدم تشدد کے اصول پر پرامن اور منظم مظاہروں کے ذریعے اپنے عزم اور اپنی قوت کا اظہار کرتے ہیں اس کے لئے ہمیں قرآن و حدیث سے جو رہنمائی ملتی ہے اسے میں "نہی عن المنکر بالید" سے تعبیر کرتا ہوں۔

قرآن سے رہنمائی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اس قرآن حکیم کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے'..... یعنی ہر دور میں اس سے انسان کو ہدایت ملتی رہے گی۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں، جیسے جیسے انسانی ذہن اور تمدن کا ارتقاء ہو گا، یہی قرآن انسان کی انگلی پکڑ کر لے چلے گا اور ہر ہر مرحلہ پر یہ ہدایت دے گا..... مطالعۂ قرآن کے دوران ایک مرتبہ اچانک میرا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ قرآن مجید میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر

اتنا زور کیوں دیا گیا ہے۔ ایک روز میں نے بیٹھ کر قرآن مجید کی ان آیات کی ایک فہرست مرتب کی جن میں اس پر انتہائی زور ہے۔ دعوت کا حکم اتنے زور شور کے ساتھ آپ کو قرآن مجید میں نہیں ملے گا۔ آپ کو اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ ...... الخ یا...... وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ ..... والی آیات مل جائیں گی۔ تبلیغ کا قرآن مجید میں عام مسلمانوں کے لئے حکم ملے گا ہی نہیں۔ وہاں تو تبلیغ کا حکم آیا ہے صرف حضورؐ کے لئے یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ وہ تو نبی اکرمؐ نے اسے تمام اہلِ ایمان کے لئے عام کیا ہے کہ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً "پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت"۔ البتہ قرآن مجید میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر بہت سی آیات ہیں۔

۱...... سورۃ النحل کی وہ آیت جو آپ حضرات اکثر خطباتِ جمعہ کے آخر میں سنتے ہیں۔ اُس میں اس کام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی ہے کہ وہ خود یہ کام کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبَغْیِ "اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بدی و بے حیائی اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے"۔ (سورۃ النحل۔ آیت: ۹۰)

یہاں پر معروف کے تین شعبے بیان ہوئے عدل، احسان اور صلہ رحمی یہ معروف کے تین شعبے ہیں۔ پھر فواحش کی، نامعقول کاموں کی اور سرکشی کی ممانعت بیان ہوئی۔ یہ منکرات کے تین شعبے ہوئے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اس کام کی اپنی طرف نسبت فرما رہا ہے کہ وہ خود معروف کا حکم دیتا اور بدی سے روکتا ہے۔

۲...... اب آیئے دوسری آیات کی طرف...... حضرت لقمان کی نصیحتوں میں اس کا بڑے شدّومد سے بیان آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی نصائح کا قرآن مجید میں ذکر فرما کر ان کو دوام عطا فرما دیا ہے۔ ان نصائح میں یہ بھی ہے۔

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ انْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○

"اے میرے پیارے بچے، نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور بدی سے روک۔ اور اس کام کی انجام دہی میں جو بھی تکلیف و مصیبت آئے اسے جھیل، برداشت کر،
صبر کر، اس لئے یہ کام بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے"۔

۳...... سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ میں نبی اکرمؐ کی جہاں بہت سی شانیں بیان ہوئی ہیں

وہاں یہ بھی ہے یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ۔ خود حضورؐ کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ وہؐ معروف کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔

۴......بنی اسرائیل پر ایک فردِ قرار دادِ جرم تو وہ ہے جو سورۃ البقرۃ کے رکوع پانچ سے چل کر رکوع دس پر ختم ہوتی ہے۔ مزید بر آں مختلف مقامات پر ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں ان میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق اس لئے بھی بنے کہ انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا...... ان آیات میں یہ بات نوٹ کیجئے گا کہ پورا زور نہی عن المنکر پر ہے۔ یعنی بدی کو نہ روکنا اور اس فریضہ کو ترک کر دینا زیادہ بڑا جرم ہے امر بالمعروف کو چھوڑ دینے کے مقابلہ میں...... اس لئے کہ منکرات ہی وہ شے ہے جس سے معاشرے میں گندگی پھیلتی ہے، جس سے معاشرہ میں فساد متعدی ہو جاتا ہے اور پھیلتا چلا جاتا ہے اور ماحول اتنا خراب ہو جاتا ہے کہ اس میں امر بالمعروف بے اثر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ آیت ۶۳ میں فرمایا:

لَوْلَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِہِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِہِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝

"کیوں نہیں منع کرتے ان کے درویش (صوفیا) اور علماء ان کو گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے۔ بہت ہی برے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں"۔

۵......اسی سورہ کی آیت ۷۹ میں فرمایا:

کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ یعنی یہ رہبان و احبار وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے یہاں منکر پر عمل ہو رہا تھا تو وہ اس سے منع نہیں کرتے تھے کیا ہی بری روش تھی جس پر وہ چل رہے تھے لہٰذا یہ بھی برابر کے مجرم ہیں اور پاداش میں بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

۶......سورۃ الاعراف میں (آیت نمبر ۱۶۳ سے لے کر ۱۶۶ تک) یہود کے اس قبیلہ کا ذکر ہے جس کا پیشہ ماہی گیری تھا۔ سبت (ہفتہ) کا دن ان کے ہاں صرف اللہ کی عبادت کے لئے مختص تھا اور اس دن ان پر مچھلی کا شکار کرنا حرام تھا۔ ان لوگوں کو حکم عدولی اور نافرمانی کی عادت تھی لہٰذا اللہ کی طرف سے یہ آزمائش آئی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں کنارے پر آکر سطحِ آب پر خوب اٹھکیلیاں کرتی تھیں اور باقی دنوں میں غائب رہتی تھیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا۔ صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ ہفتہ سے ایک دن پہلے (جمعہ کے دن)

کناروں پر دریا کا پانی کاٹ کر حوض بنا لیتے اور جب مچھلیاں ہفتہ کے دن ان کے بنائے ہوئے حوضوں میں آجاتیں تو نکاسی کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے۔ تاکہ اس حیلہ کی بناء پر ہفتہ کو شکار کرنے کا الزام ان پر نہ آئے۔ اس حیلہ سازی اور مکاری کے ضمن میں اس قبیلہ کے لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک تو یہی حیلہ ساز لوگ تھے جو دھڑلے کے ساتھ اس گناہ میں ملوث تھے۔ دوسرے لوگ وہ تھے جو اگرچہ اس حیلہ سازی اور نافرمانی میں شریک نہیں تھے لیکن ان کو اس سے روکتے بھی نہیں تھے۔ تیسرے وہ لوگ تھے جو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑنے سے اور اس حیلہ سازی سے منع کرتے تھے۔ یعنی نہی عن المنکر کا فریضہ مسلسل ادا کرتے رہتے تھے۔ اور درمیانی قسم کے لوگ اس مؤخر الذکر گروہ سے کہتے کہ تم ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا ان کو عذاب دے تو وہ جواب میں کہتے: قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ..... "وہ کہتے کہ (ہم اس لئے نصیحت کرتے ہیں کہ) تمہارے رب کے حضور میں معذرت پیش کر سکیں اور اس لئے بھی کہ شاید وہ لوگ تقویٰ کی روش پر آجائیں' نافرمانی اور سرکشی سے باز آجائیں"...... ان تینوں گروہوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ۔ "ہم نے عذاب سے بچایا ان کو جو روکتے تھے اس برے کام سے"...... یعنی درحقیقت وہ لوگ نجات کے مستحق بنتے ہیں جو لوگوں کو بدی سے روکنے کا فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں۔ بدی سے صرف خود رُکے رہنا نجات کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ جو لوگوں کو بدی سے روکتے نہیں ہیں وہ بھی ان لوگوں کے مانند گردانے جاتے ہیں جو بدی میں ملوث ہیں۔ چونکہ گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اس لئے جو روکتے نہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ برابر کے مجرم ہیں جو بدی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ اصل میں بچنے والے وہ ہیں جو بدی سے روکنے والے ہیں۔ اس بات کو نبی اکرمؐ نے ایک انتہائی بلیغ تمثیل سے سمجھایا ہے کہ: "ایک جہاز میں کچھ لوگ عرشہ پر سوار ہیں' کچھ لوگ نیچے ہیں یعنی نچلی منزل میں ہیں۔ نیچے والوں کو جب پانی لینا ہوتا ہے تب وہ اوپر آتے ہیں۔ اب جو لوگ عرشہ پر مقیم ہیں ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ پانی برتنوں سے چھلک بھی جاتا ہو گا۔ عرشہ والے ان لوگوں کے اوپر آنے جانے پر ناک بھوں چڑھاتے ہوں گے...... نیچے والوں نے سوچا کہ اوپر سے پانی لانے کے کام کو چھوڑو ہم ان کو کیوں ناراض کریں۔ ہم تو نیچے جہاز کے پیندے میں سوراخ کر لیتے ہیں' یہیں سے پانی لے لیا کریں گے' اب اگر اوپر والے ان نیچے والوں کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو جہاز ڈوبے گا تو

صرف نیچے والے ہی نہیں ڈوبیں گے بلکہ اوپر والے بھی ڈوبیں گے"۔ گویا جو لوگ غلط کام اور بدی سے روکتے نہیں ہیں انجامِ کار کے اعتبار سے وہ ان لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاتے ہیں جو بدی میں خود ملوث ہیں..... اس مثال سے بھی واضح ہوا کہ اصل میں نہی عن المنکر ہی وہ شے ہے جو انسان کو نجات کا حق دار بناتی ہے۔

۷..... اب آیئے قرآن مجید میں دیکھیں کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ضمن میں امتِ مسلمہ کو کیا ہدایات اور احکام ملے ہیں! سورہ آل عمران میں ارشادِ ربانی ہے۔ (آیت نمبر ۱۱۰)

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ

"تم وہ بہترین امت ہو جسے ہم نے نکالا ہے پوری نوعِ انسانی کے لئے۔ بین الاقوامی سطح پر تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو اور تم اللہ پر اپنا ایمان پختہ رکھو"۔ بحیثیتِ امت یہ ہی تمہاری اجتماعی ڈیوٹی ہے۔

۸..... دوسری آیت وہ ہے کہ جس میں اس صورت حال کی طرف رہنمائی فرمائی گئی ہے کہ جب امت خود مریض ہو گئی ہو، جب خود اسے اصلاح کی ضرورت ہو تو ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے۔ !!اس کا حل سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۴ میں پیش کیا گیا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ و يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○

"اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے نیک کاموں کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مراد کو"۔ (ترجمہ از شیخ الہندؒ)

اس آیتِ مبارکہ سے ہمیں یہ رہنمائی ملی کہ کچھ لوگ تو ایسے ہوں جو جاگیں، ہوش میں آجائیں۔ وہ مل جل کر ایک امت بنیں۔ یا امت کے اندر ایک امت بنائیں، جماعت کے اندر جماعت کی شکل اختیار کریں۔ ..... بڑی پارٹی تو وہی ہے یعنی امتِ مسلمہ۔ چاہے اس کی عظیم ترین اکثریت بے عمل یا فاسق و فاجر ہو، جو بھی کلمہ گو ہے وہ قانوناً امتِ محمدؐ میں شامل ہے۔ لیکن یہاں ہدایت اور رہنمائی کی جارہی ہے کہ اس بڑی امت میں سے ایک چھوٹی امت تشکیل پائے جو ان لوگوں پر مشتمل ہو جو خود حق پر چلیں اور معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کے لئے حق کی دعوت دیں۔ اس آیت کے آخری حصے میں تاکید کا اسلوب اختیار

کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کامیابی صرف ان لوگوں کے لئے ہے اور فلاح صرف وہی لوگ پائیں گے جو اس سہ نکاتی پروگرام یعنی دعوت الی الخیر' امر بالمعروف' نہی عن المنکر پر عمل کے فرض کی انجام دہی میں تن' من' دھن کی بازی لگا دیں گے۔ اگر ہر شخص کلمہ گو ہونے کے ناطے فلاح کا امیدوار بنا بیٹھا رہے تو اس کی قرآن مجید میں بہرحال ضمانت موجود نہیں ہے۔ یہ ضمانت صرف ان کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ ان فرائض کی انجام دہی کے لئے کمر کس لیں اور تکلیفیں جھیلنے کے لئے تیار ہوں.....

۹..... سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۱۱۲ اس سلسلے کی بڑی عظیم' اور بڑی دلکش آیت ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں ظاہری و باطنی اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو ایک بندۂ مومن کی سیرت و کردار میں درکار ہیں۔ ان میں تین تین اوصاف کے تین سیٹ (SETS) ہیں ایک طرف ان چھ اوصاف کا بیان ہے جو ایک مومنِ صادق کی زندگی میں انفرادی سطح پر مطلوب ہیں۔ دوسری طرف ایک مسلم معاشرہ کا فرد ہونے کے اعتبار سے ایک بندۂ مومن پر جو اجتماعی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کی ادائیگی کے لئے جو اوصاف چاہئیں وہ بیان ہو گئے۔ وہ بھی تین ہی بیان ہوئے۔ ایک آیت میں نو اوصاف جمع کر دیئے گئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

" (یہ مومنین جنہوں نے جنت کے عوض اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے) اللہ کی طرف بار بار پلٹنے والے ہیں' عبادت گزار ہیں' اس کا شکر ادا کرنے والے' اس کی ثناء کرنے والے ہیں' اس (کے دین) کی خاطر زمین میں گردش کرنے والے ہیں' اس کے حضور میں رکوع کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں"۔

یہ چھ اوصاف وہ ہیں جو انفرادی ہیں ایک بندۂ مومن کے اپنے لئے' یہ گویا تربیت و تزکیہ کے مراحل ہیں۔ یہ اوصاف ہیں جنہیں میں علامہ اقبال کے اس مصرع کے حوالے سے بیان کرتا ہوں کہ ع

بانشۂ درویشی در سازو دمادم زن

یہ نشۂ درویشی کیا ہے اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ..... یہ چھ اوصاف اگر حاصل ہو گئے تو علامہ اقبال کے بقول اب تم پختہ ہو گئے۔ اب کیا کرنا ہے؟ ع

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

اور اس آیتِ مبارکہ کی رو سے اگلا قدم کیا ہو گا..... وہ ہو گا :

اَلْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

"نیکی کا حکم دینے والے ہیں۔ بدی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ پس (اے نبیؐ ان) مومنین کو بشارت سنا دیجئے۔"

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے والے کہ اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے۔ منکرات کو ہم کسی طور پر برداشت نہیں کریں گے۔ ان تین آخری اوصاف میں کلید ہے اس مسئلہ کی کہ ایک مسلمان حکومت میں اسلامی نظام کے قیام اور نفاذ کے لئے جو انقلابی جماعت میدان میں آئے گی وہ اسی بنیاد پر آئے گی کہ صرف امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور تحفظِ حدود اللہ کے لئے پرامن اور عدم تشدد پر مبنی مظاہرے کرے گی، گھیراؤ کرے گی۔ دھرنا مار کر بیٹھے گی اور ترکِ موالات کے تمام طور طریقے اختیار کرے گی۔

۱۰..... اسی سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ۶۷ اور آیت نمبر ۷۱ میں اہلِ نفاق اور اہلِ ایمان کی روش اور طرزِ عمل کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ آیت نمبر ۶۷ میں منافقین کے رویہ کے متعلق فرمایا:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ..... (الخ)

"منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے سے ہی ہیں، سب کی ایک ہی روش ہے۔ یہ معاشرہ میں بری باتوں اور برے کاموں کو ترویج دیتے ہیں، ان کی ترغیب دیتے ہیں اور خیر اور نیکی کے کاموں کے فروغ کو روکتے ہیں"۔

اور آیت نمبر ۷۱ میں اہلِ ایمان کے طرزِ عمل کے لئے فرمایا کہ:

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ..... (الخ)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار ہوتے ہیں، بھلے اور نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں"۔

اب ذرا اس بات پر غور کیجئے اس وقت تمام مسلم معاشروں میں جو لوگ مسندِ اقتدار پر براجمان ہیں اور جن کے قبضے میں ملک کا نظامِ تعلیم ذرائع اعلام و ابلاغ اور مملکت کے سارے

وسائل ہیں وہ کن خصوصیات کے حامل ہیں۔ وہ فحاشی کے علمبردار ہیں' بے پردگی اور بے حیائی کے مبلغ ہیں۔ ہر نوع کی اباحیت کو ماننے والے اور اس کے پرچارک ہیں۔ یہی طبقہ ہے جو شریعت کی حدود اور پابندیوں کو توڑنے پھوڑنے کے لئے نہایت منظم طور پر مسلم معاشروں میں مصروفِ عمل ہے۔ اجتماعی زندگی کے تمام شعبے ان کی ترک تازیوں کی جولان گاہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کون ہیں! قانوناً مسلمان..... لیکن سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۶۷ میں انہیں منافقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک مسلم معاشرہ کے لئے کھلے کافروں' منکروں اور غیر مسلموں سے کہیں زیادہ خطرناک عنصر ان منافقین کا ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ آستین کے سانپ کا رول ادا کرتے ہیں۔

۱۱..... سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ میں تمکّن فی الارض یعنی اللہ کی طرف سے حکومت ملنے کے بعد اہلِ ایمان کے بنیادی فرائض بیان فرمائے گئے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ.....

"وہ لوگ جنہیں ہم زمین میں تمکّن و اقتدار عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا نظام قائم کریں گے اور نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے"۔

یہ آیتِ مبارکہ ایک اسلامی حکومت کے بنیادی و اساسی فرائض کے تعین کے لئے نصِ قطعی کے مقام کی حامل آیت ہے۔

۱۲..... نہی عن المنکر کے بارے میں سورہ ہود کی آیت نمبر ۱۱۶ پر بھی غور کر لیجئے۔

"پھر کیوں نہ ان قوموں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں ایسے اہلِ خیر موجود رہے جو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے؟ ایسے لوگ نکلے بھی تو بہت کم' جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچالیا' ورنہ ظالم لوگ تو انہی مزوں کے پیچھے پڑے رہے جن کے سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیئے گئے تھے اور وہ مجرم بن کر رہے۔ تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ناحق تباہ کر دے حالانکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں"۔

اس آیت میں سابقہ رسولوں کی امتوں کا بیان ہے کہ جب رسولوں کی امتیں بگڑتی ہیں اور دین کی تعلیمات کو قبول کرنے سے انکار کرتی ہیں تو ایسی امتوں کو ہلاک کیا جاتا ہے اور صرف ان تھوڑے سے لوگوں کو بچالیا جاتا ہے جو نہی عن الفساد کا فریضہ انجام دیتے رہتے تھے۔

میں نے قرآن حکیم کے مختلف مقامات سے جو متعدد آیات آپ کو سنائی ہیں اس سے یہ بات اظہر من الشمس کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" ہمارے دین کے اندر کس قدر اور کتنی عظیم اہمیت کی حامل شے ہے۔ ان آیات پر غور و فکر اور استحضار کے نتیجہ میں مجھے یہ رہنمائی ملی کہ جب امتِ محمدؐ میں دین کے احیاء اور دین کو بتمام و کمال قائم و نافذ کرنے کا مسئلہ آئے گا اور پورے فاسد و استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر توحید کی بنیادوں پر پورے نظام کو استوار کرنے کا مرحلہ آئے گا تو در حقیقت اقدام کا یہی راستہ ہو گا کہ ایک منظم اور تربیت یافتہ اسلامی انقلاب امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تحفظ حدود اللہ کے لئے پر امن مظاہروں اور ان تمام طریقوں سے حکومتِ وقت کو مجبور کر دے کہ وہ معروفات کی ترویج کرے، منکرات کو روکے اور ان کا قلع قمع کرے اور حدود اللہ کو نافذ کرے۔ بغاوت کا کوئی راستہ نہیں۔ کسی حکومت کے خلاف کھڑے ہو کر اعلانِ بغاوت کرنے اور قوم کو خانہ جنگی میں مبتلا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ حکومت کی طالب وہ انقلابی جماعت ہو گی ہی نہیں۔ حقیقی اسلامی جماعت کبھی بھی اقتدار کی طالب بن کر میدان میں نہیں آتی۔ اس کا تو صرف یہ مطالبہ ہو گا کہ جب مسلمانوں کا معاشرہ ہے اور مسلمان ہی حکمران ہیں تو دین کو صحیح شکل میں قائم و نافذ کرو اور اس کے خلاف جو کچھ ہے اسے ختم کرو۔ نہیں کرتے تو پھر ہم میدان میں موجود ہیں۔ پھر ہمارے سینے حاضر ہیں، گولیاں چلاؤ۔ پھر ہمارے سر حاضر ہیں، لاٹھیاں برساؤ، پھر ہم حاضر ہیں کہ دار و رسن کے حربے ہم پر آزماؤ اس ابتلا اور امتحان میں ڈٹے رہنا ہے، پیچھے نہیں ہٹنا ہے، کھڑے رہنا ہے۔ یہ حکم کیا تھا کہ تمہیں دہکتے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہو تو لیٹ جاؤ، مکہ کی گرم اور سنگلاخ زمین پر تمہیں جانور کی طرح گلے میں رسی ڈال کر پیٹھ کے بل گھسیٹا جا رہا ہو تو اف نہ کرو۔ ہاتھ مت اٹھاؤ۔ تمہیں جوابی کارروائی کی اجازت نہیں ہے..... یہی میرے نزدیک موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کا صحیح راستہ ہے۔ اسی کو میں "صبرِ محض" اور "پرتحمل مزاحمت" سے تعبیر کرتا ہوں۔

احادیث شریفہ اور فریضۂ نہی عن المنکر

قرآن کی طرح احادیثِ رسولؐ میں بھی اس مسئلے پر رہنمائی کا وافر سامان موجود ہے۔ صحیح مسلم کی دو حدیثیں پیشِ خدمت ہیں۔ ان پر جب آپ غور کریں گے تو آپ پر منکشف ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کامل رہنمائی دے گئے ہیں ہمیں اندھیروں میں ٹھوکریں کھانے کے لئے نہیں چھوڑ گئے..... مکان و زمان کے فرق کو ملحوظ رکھ کر حضورؐ کے ان ارشادات سے مختلف مراحل کے لئے ہدایت و رہنمائی مستنبط اور اخذ کی جا سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہماری نیتیں خراب ہوں، عافیت مطلوب ہو، صرف کھانا کمانا پیش نظر ہو، بچوں کی پرورش اور ان کو اعلیٰ تعلیم دلانا ہی زندگی کا مقصود بن گیا ہو تو یہ ہماری محرومی ہے..... لیکن اگر وفاداری ہے اللہ کے ساتھ۔ اگر وفاداری ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جیسے علامہ اقبال مرحوم نے کہا۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اللہ کی وفاداری اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے ارادہ پیدا ہو جائے تو جمود و تعطل توڑ کر میدان میں آنا پڑے گا۔

پہلی حدیث کے راوی ہیں حضرت ابو سعید الخدریؓ۔ اس روایت میں اختصار و ایجاز ہے۔ وہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رأی منکم منکرًا فلیغیّرہ بیدہ و ان لم یستطع فبلسانہ و ان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان

"جو کوئی تم میں سے برائی کو دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ یعنی طاقت سے بدل دے۔ اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے اسے برا کہے اور اسے بدلنے کی کوشش کرے۔ اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا جانے اس پر دلی کرب محسوس کرے۔ اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے....."

اس کی ہم مضمون دوسری روایت کے آخری ٹکڑے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل
گویا ان تین حالتوں میں سے اگر کوئی بھی نہیں ہے تو ایسا شخص جان لے کہ اس شخص کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان موجود نہیں ہے۔

اب خاص طور پر دیکھئے کہ اس حدیث میں امر بالمعروف کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ حکم ہی نہیں دیا گیا..... وہ حکم اپنی جگہ قرآن مجید میں ہے' اس کی نفی مقصود نہیں ہے۔ البتہ اس حدیث میں سارا ذکر نہی عن المنکر کا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کا اسلوب دیکھئے فرمایا کہ..... من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ جو شخص بھی تم میں سے منکر کو دیکھے اس پر لازم ہے' واجب ہے' فرض ہے کہ اسے ہاتھ سے روکے اس لئے کہ یہ صیغۂ امر ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔ فرمایا و ان لم یستطع فبلسانہ اگر طاقت سے روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روکے۔ کہے تو سہی کہ اللہ کے بندو! باز آجاؤ' اس راستہ پر مت جاؤ۔ یہ حرام کا راستہ ہے' یہ اللہ کی نافرمانی کا راستہ ہے۔ یہ شیطان کا راستہ ہے' یہ طاغوت کا راستہ ہے۔ زبان سے کہے۔ و ان لم یستطع ۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا۔ اتنا بھی دم نہیں' اتنی بھی استطاعت نہیں ہے۔ یا زبانوں پر تالے ڈال دیئے گئے ہیں تو فبقلبہ ۔ دل میں بدی کے خلاف شدید نفرت تو رکھے۔ اس پر دل میں گھٹن تو محسوس کرے..... "و ذلک اضعف الایمان" اور یہ یعنی صرف دل سے برا جاننا' دل میں برائیوں پر کرب محسوس کرنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ عربی زبان میں اضعف "SUPERLATIVE DEGREE" ہے۔ اس سے آگے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اگر دل میں نفرت بھی نہ رہے تو ایمان ہی گیا۔ پھر وہی بات ہوگی جو علامہ اقبال نے کہی ہے کہ ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جب یہ احساس بھی ختم ہو گیا تو جان لیجئے کہ دل والا حقیقی ایمان بالکل رخصت ہو گیا!

اس حدیث کے مفہوم کے ضمن میں البتہ ایک احتیاط پیشِ نظر رکھنی اشد ضروری ہے۔ لوگ عام طور پر غور نہیں کرتے۔ اس حدیث میں جو تین مدارج بیان کئے گئے ہیں وہ اس اعتبار سے نہیں ہیں کہ جو شخص نیچے کھڑا ہے وہ نیچے ہی کھڑا رہے جو شخص درمیانی درجہ میں ہے وہ

وہیں رہے۔ بلکہ ایسے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ مسلسل کوشش کرے کہ اگر آج طاقت حاصل نہیں ہے کہ منکر کو طاقت سے روک سکے تو طاقت حاصل کرے۔ وہ جو علامہ نے کہا ہے ۔

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

اگر آپ نہی عن المنکر اعلیٰ اور بلند ترین سطح پر کرنا چاہتے ہیں تو وہ طاقت کے ساتھ ہے۔ اگر طاقت نہیں ہے تو طاقت فراہم کیجئے۔ اس طاقت وقوت کو فراہم کرنے کی سعی وجہد کرنا بھی فرض کے درجہ میں ہو گا۔ لیکن اگر کوشش کے باوجود اتنی جمعیت فراہم نہیں ہو پا رہی کہ منکرات کے خلاف منظم اور پر امن طور پر طاقت کا مظاہرہ کیا جا سکے تو بہر حال اس وقت تک زبان سے منکر کو منکر کہنا اور اس کے خلاف زبان سے جہاد کرنا لازم ہے۔ اگر اس کا بھی امکان نہیں ہے تو دل سے نفرت کرنا لازم ہے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہئے کہ انسان نچلی منزل پر قانع ہو کر بیٹھ جائے چونکہ یہ وہ نازک ترین مقام ہے کہ اگر ذرا سی بھی چوک ہو گئی اور کسی منکر کے خلاف دل میں نفرت، کراہیت اور کرب کے جذبات پیدا نہیں ہوئے تو ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔ یہ تو وہ آخری حد ہے کہ جس سے باہر قدم نکلتے ہی انسان ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اگر کوئی شخص ایمان کی کمزور ترین حد کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا ہوا ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس حد سے نکل جانے میں آنکھ جھپکنے سے زیادہ کا وقفہ درمیان میں نہیں آئے گا۔

اس حدیثِ مبارکہ کے اسلوب پر غور وتدبّر سے یہ لازمی تقاضا سامنے آتا ہے کہ منکر کو مٹانا اسے برا کہنا اور اسے برا سمجھ کر اس سے نفرت کرنا ہر مسلمان پر واجب اور فرض ہے۔ سب سے نچلے درجے پر ہرگز قانع نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ لازم ہے کہ طاقت حاصل کرنے اور جمعیت فراہم کرنے کے لئے دل وجان سے کوشش کی جائے۔ لوگوں کو تیار کیا جائے کہ منکرات کو مٹانے اور بدلنے کے لئے اپنی جانیں تک دینے کے لئے آمادہ ہوں، جب تک طاقت حاصل نہ ہو زبان سے بھی منکر کو منکر کہنے کا عمل جاری رہے۔ صاحبانِ اقتدار کو نرم و گرم طور پر اس طرف متوجہ کیا جاتا رہے۔ اس دوران دل میں منکرات کے خلاف نفرت پروان چڑھتی رہے تاکہ جب ان کو طاقت وقوت کے ساتھ بدلنے کا مرحلہ آئے تو جذبات میں منکرات کے خلاف جوش وخروش کا طوفان موجزن ہو..... ایسا نہ ہو کہ کوئی مسلمان ماحول کے

رنگ میں رنگا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ دل کی نفرت کم ہو اور پھر ماحول اس پر چھا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ کل وہ جس کام کو برا کہہ رہا تھا اور سمجھ رہا تھا آج وہ خود اس میں ملوث ہو جائے۔

علماءِ بنی اسرائیل کی اسی روش کا تذکرہ حدیث میں ملتا ہے۔ ارشادِ رسالت مآبؐ کا مفہوم یہ ہے کہ یہود کے عالموں کا سب سے بڑا جرم ہی یہ تھا کہ جب ان کے امراء نے غلط کام کرنے شروع کئے تو ابتداء میں تو علماء نے ان کو ٹوکا کہ شریعت کی رُو سے یہ برا اور غلط کام ہے لیکن ان کے ساتھ مجلسی تعلق بھی قائم رکھا۔ ان کے ساتھ کھانا پینا ترک نہیں کیا۔ ان امراء کے دسترخوان کی لذتیں ان کو کھینچ کھینچ کر بلاتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ بھی اسی رنگ میں رنگے گئے' در حقیقت جب تک انسان ایسے لوگوں کے ساتھ مقاطعہ کی روش اختیار نہ کرے' جس کا اقرار دعائے قنوت میں ہم روزانہ کرتے ہیں "نخلع و نترک من یفجرک" اے اللہ جو بھی تیرا نافرمان ہو گا اور فاجر و فاسق ہو گا ہم اس سے قطع تعلق کریں گے' اسے ہم چھوڑ دیں گے' اس کے ساتھ ہم دلی محبت کا کوئی رشتہ استوار نہیں کریں گے اس وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں پا سکے گا۔ ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص کسی فاسق کے ساتھ چلتا ہے تاکہ اسے تقویت پہنچائے تو اللہ کے غضب کی وجہ سے عرش کانپنے لگتا ہے"۔

صحیح مسلم کی دوسری حدیث کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگا لیجئے کہ وہ فقہ جسے آج ہم فقہ حنفی کے نام سے جانتے ہیں سلف میں فقہ ابن مسعودؓ کہلاتی تھی۔ اس لئے کہ اس کے اصل بانی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ تھے جن کا شمار کبارِ صحابہؓ میں ہوتا تھا۔ وہ کوفہ میں آباد ہو گئے تھے۔ انؓ کے شاگرد کے شاگرد امام ابو حنیفہؒ ہیں۔ اس حدیث میں نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی کے مسئلہ کو نہایت تشریح اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

انّ رسولَ اللّٰہصلی اللہ علیہ وسلّم قال: مامن نبیٍّ بعثہ اللّٰہ فی اُمّۃٍ قبلی الّا کان لہ من امتہ حواریّون و اصحابٌ یأ خذون بسنّتہ و یقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعد ھم خلوف یقولون مالا یفعلون' و یفعلون مالا یُؤمرون' فمن جاھد ھم بیدہ فھو مؤمن' ومن جاھد ھم بلسانہ فھو مؤمن ومن جاھد ھم بقلبہ فھو مؤمن' لیس وراء ذلک

من الایمان حبۃ خردل

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کے بعد اس کی امت میں اس کے حواریوں اور اصحاب نے اس کی سنت کو قائم نہ کیا ہو اور اس کے احکام کی پیروی نہ کی ہو۔ پھر ان کے جانشین ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے اور وہ ایسے کام کرتے ہیں جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا پس جو ان کے خلاف ہاتھ (قوت) سے جہاد کرے وہ مومن ہے' جو ان کے خلاف زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو ان کے خلاف دل سے جہاد کرے (یعنی دل میں انہیں برا سمجھے) وہ مومن ہے مگر اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔

گویا ایسا ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ نبی اور اس کے حواریوں اور اصحاب کے انتقال کے بعد رفتہ رفتہ انحطاط' اضمحلال اور زوال شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے یہاں تین ادوار ہیں جن کو حضورؐ نے خیر قرون سے تعبیر فرمایا ہے یعنی نبی اکرم اور آپؐ کے صحابہؓ کا زمانہ۔ تابعین کا زمانہ اور پھر تبع تابعین کا زمانہ ایسے ادوار کے گزرنے کے بعد انحطاط و اضمحلال اور زوال کی صورت شروع ہوتی ہے۔ بعد میں آنے والوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا تھا۔ کہہ کچھ رہے ہیں کر کچھ رہے ہیں۔ زبان پر اسلام کا اقرار ہے' اس کی مداح سرائی ہے' عمل میں اسلام اور اس کے شعائر سے بغاوت ہے' سرکشی ہے' اعراض ہے' روگردانی ہے۔ پھر ان کے افعال و اعمال ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حکم' جن کی کوئی سند ان کے دین میں موجود نہیں ہوتی تھی۔

حدیث کے آخر میں ایمان کے جو درجات بیان کئے گئے ہیں ان سے اس ناخلف طبقہ کے خلاف اقدام سے جو عموماً مسندِ اقتدار پر متمکن ہوتا ہے نہایت گہرا تعلق ہے اس حصہ سے ہمیں اقدام کے لئے ہدایت و رہنمائی ملتی ہے۔ دل سے جہاد کا مفہوم یہ ہے کہ منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر ایک بندۂ مومن دل کی بے کلی میں مبتلا ہو جائے' وہ ہر وقت کڑھے' اس کی نیندیں حرام ہو جائیں۔ وہ اپنی بے بسی پر بے قرار اور مضطرب رہے۔ اس کے دل میں نفرت پروان چڑھتی رہے اور اس کا دل اس وقت کی جلد آمد کے لئے بے چین رہے کہ جس وقت وہ ایک منظم اسلامی انقلابی جماعت کے ساتھ مل کر نہی عن المنکر کے لئے میدان میں آسکے اور اپنے جسم و جان اور مال و منال کی قربانی کا نذرانہ پیش کر سکے۔ یا اگر اس میں صلاحیت و اہلیت ہے تو وہ خود کھڑا ہو اور ایسی انقلابی جماعت قائم کرنے کی سعی و جہد کرے۔

اس حدیث کا آخری حصہ جس کا حوالہ میں حضرت سعید الخدریؓ والی حدیث میں بھی دے چکا ہوں، نہایت لرزا دینے والا ہے۔ اس کو سن کر دن کا چین اور رات کا آرام حرام ہو جانا چاہئے۔ اس لئے کہ ایسے شخص کے ایمان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفی فرما رہے ہیں جس کا دل بھی منکرات اور ان کے فروغ کو دیکھ کر بے قرار، مضطر اور بیکل نہیں ہوتا۔

ایسے شخص کے بارے میں کونین کے مفتی اعظم حضرت محمدؐ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں۔

ولیس وراء ذلک من الایمان حبة خردل

"اور جان لو کہ اس کے بعد ایمان رائی کے دانہ کے برابر بھی موجود نہیں ہے"۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ آخرت میں وہ لوگ کس مقام پر کھڑے ہوں گے جو اس دنیا میں قانوناً مسلمان اور مدعیٔ ایمان تھے اور مسندِ اقتدار پر بیٹھے منکرات کو فروغ دے رہے تھے۔ ان مدعیانِ ایمان کا کیا حال ہو گا جو ذرائع ابلاغ پر قابض تھے اور ان کو منکرات کی نشر و اشاعت کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ وہ لوگ کس حالت اور عالم میں ہوں گے جو حکمرانی کے بل بوتے پر منکرات کی سرپرستی کر رہے تھے اور ایسا ماحول اور ایسی فضا پیدا کرنے کے باعث بن رہے تھے جس میں معروفات سسک رہے تھے اور منکرات کے فروغ کے باعث معاشرہ سنڈاس بن رہا تھا۔......

خلاصۂ بحث

میں نے مسلم شریف کی جو دو روایتیں آپ کے سامنے تشریح و توضیح کے ساتھ بیان کی ہیں، انہیں سامنے رکھئے۔ میرے نزدیک ان دونوں احادیث کو ہمارے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کلید کی حیثیت حاصل ہے اب راستہ یہ ہے کہ کسی مسلمان ملک میں دین کو اس کی کامل شکل میں قائم و نافذ کرنے کے لئے کوئی تحریک اٹھے۔ اس تحریک کے وابستگان خود اپنی انفرادی زندگیوں پر دین کو نافذ کر چکے ہوں۔ تربیت اور تزکیہ کے مراحل طے کر چکے ہوں۔ انہوں نے حرام کو بالفعل ترک کیا ہو اور سنت کو انہوں نے عملاً اختیار کیا ہو، پھر یہ لوگ منظم ہوئے ہوں، بنیانِ مرصوص بن چکے ہوں، یہ کسی تنظیم کے ساتھ منسلک ہو کر اس کے امیر

کمانڈر اور قائد کے حکم پر ڈسپلن کے ساتھ حرکت کرنے کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں' سمع وطاعت کے عادی ہو چکے ہوں..... تو اب یہ لوگ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام طاقت کے ساتھ کریں گے! کھڑے ہو جائیں گے اور اعلان کریں گے کہ ہم منکرات کے کام نہیں ہونے دیں گے۔ یہ بات جان لیجئے کہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے پرامن طور پر قوت کا مظاہرہ کرنا اب دنیا میں ہر ملک کے رہنے والوں کا تسلیم شدہ حق ہے اگر سیاسی حقوق کے حصول اور بحالی کے لئے' مہنگائی کے خلاف یا کچھ دیگر قومی مسائل کے حل کے لئے مظاہرے کئے جاسکتے ہیں' پکٹنگ اور گھیراؤ کیا جاسکتا ہے تو دین نے جن کاموں کو منکرات قرار دیا ہے ان کے خلاف مظاہرے کیوں نہیں کئے جاسکتے! ان کو چیلنج کیوں نہیں کیا جاسکتا! لیکن یہ مظاہرے پرامن ہوں گے۔ کہیں فساد نہیں ہوگا' کسی کو تکلیف نہیں ہوگی۔ قومی دولت کا کوئی ضیاع نہیں ہوگا۔ اس تنظیم کے وابستگان ساری تکلیفیں اپنے اوپر جھیلنے کے لئے تیار ہوں گے۔ ساری مصیبتیں خود برداشت کریں گے اپنی جان ہتھیلی پر لے کر میدان میں نکلیں گے' اگر حکومتِ وقت گولیاں چلائے گی تو اپنے سینے پیش کریں گے۔

اگر یہ معاملہ ہو جائے اور یہ مرحلہ آجائے تو یہ بات جان لیجئے کہ آخر تا کے۔ اس مسلمان ملک کی مسلمان پولیس کب تک لاٹھیاں برسائے گی اور مسلمان فوج کب تک گولیاں چلا کر ان نہتے مظاہرین کو مارے گی جو صرف اللہ کے لئے منکرات کے خلاف نکلے ہوں۔ پھر یہ فوج کتنوں کو مارے گی.....!! یہ بات بھی اچھی طرح جان لیجئے کہ کوئی جابر سے جابر حکمران بھی ایک حد سے آگے نہیں جاسکتا۔

ایران کی مثال..... اس کا سب سے بڑا نمونہ ہمارے سامنے شہنشاہ ایران کا انجام ہے۔ وہ شاہ ایران جس کے پاس ایشیاء میں سب سے بڑا اسلحہ خانہ تھا' جس کے پاس ساوک جیسی سفاک پولیس تھی' جس کے مقابلہ کی سفاک پولیس کسی کمیونسٹ ملک میں تو شاید موجود ہو' باقی دنیا میں اس کے مقابلے کی کوئی پولیس موجود نہیں..... جس طرح کے مظالم اس ایرانی پولیس نے ڈھائے ہیں اور جس خوفناک قسم کی اذیتیں (TORTURES) اس نے دی ہیں' اس کی مثال موجودہ دور کے کسی ملک میں مشکل ہی سے ملے گی۔ لیکن شہنشاہ ایران' جو خود کو " آریہ مہر " کہلواتا تھا جو سائرس ثانی بننے کا خواب دیکھ رہا تھا' اس کی ساری طاقت' اس کا سارا دبدبہ ان سرفروشوں کی قربانیوں کے آگے خس و خاشاک کی طرح بکھر کر رہ

گیا جو اس کے خلاف مظاہروں کی صورت میں جان دینے کے لئے سڑکوں پر آ گئے تھے اس کی پولیس عاجز آ گئی اور فوج نے ان مظاہرین پر گولیاں چلانے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کو اپنا ملک چھوڑ کر فرار ہونا پڑا' حد تو یہ ہے کہ مرنے کے بعد اسے اپنے وطن میں دفن ہونے کی جگہ بھی نہ مل سکی۔ اس کے دوست ملک نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کسی مہلک متعدی مرض میں مبتلا کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بر آمد ہوتا ہے کہ جب ایک منظم انقلابی جماعت راہِ حق میں جان دینے کے لئے آمادہ ہو جائے' تو اسے ملک کے عوام کی اتنی اخلاقی اور عملی حمایت حاصل ہو جاتی ہے کہ پھر اسے کچلنا اور ختم کر دینا آسان نہیں رہتا۔ ایسی جماعت کو بغاوت کا اعلان کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی نہ ہتھیار اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ع

"جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں"

کوئی طاقت ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کا راستہ نہیں روک سکتی۔

تین ممکنہ نتائج..... اس طریقِ کار کے تین ممکنہ نتائج نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حکومت اگر ان مظاہروں کے نتیجہ میں پسپائی اختیار کرے۔ یعنی منکرات کو ختم کرنا شروع کر دے تو ہمیں اور کیا چاہئے ایک منکر کے بعد دوسرا منکر' دوسرے کے بعد تیسرا منکر۔ اگر ہم ایک ایک کر کے منکرات کو ختم کراتے چلے جائیں تو اسلامی انقلاب آ جائے گا۔ تبدیلی برپا ہو جائے گی۔ پورے کا پورا نظام صحیح ہو جائے گا۔ لیکن جب تک نظام مکمل طور پر اسلامی نہیں ہو گا یہ جدوجہد جاری رہے گی۔

دوسرا یہ کہ حکومتِ وقت اسے اپنی بقاء' اپنی انا اور اپنے مفادات کے تحفظ کا مسئلہ بنا لے اور طاقت سے اس اسلامی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرے..... اس موقع پر ذرا ٹھہر کر حکومتِ وقت' کی ماہیت و ہیئت کو سمجھ لیجئے کہ وہ کیا ہوتی ہے.....! ہر حکومت کسی نہ کسی طبقہ کی نمائندگی کر رہی ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کے کسی طاقتور طبقہ کے مفادات کی محافظ بن کر بیٹھی ہوتی ہے' اسلام کا نظامِ عدل وقسط ان طبقات کے لئے پیغام موت لے کر آتا ہے۔ لہٰذا حکومتِ وقت کسی ایسی تحریک کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتی جس کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ استحصالی نظام ختم ہو جائے اور اسلام کا عادلانہ و منصفانہ نظام قائم و نافذ ہو جائے..... لہٰذا وہ ریاست کی پولیس اور فوج کو اس تحریک کو کچلنے کے

لئے بے دریغ استعمال کرے گی۔ لاٹھیاں برسیں گی' آنسو گیس کے شیل پھینکے جائیں گے' گولیوں کی بوچھاڑ آئے گی' گرفتاریاں ہوں گی' دارورسن کے مراحل آئیں گے۔ لیکن اگر لوگ اللہ کی راہ میں قربانیاں حتّٰی کہ جان تک دینے پر تیار ہوں اور ثابت قدمی سے میدان میں ڈٹے رہیں تو پولیس کتنوں کو گرفتار کرے گی! جیلوں میں کتنی گنجائش ہوگی! کتنوں کو پھانسیاں دے گی! کتنوں پر لاٹھی چارج کرے گی! فوج کتنوں کو اپنی گولیوں سے بھونے گی! اگر تحریک کے کارکنوں نے صبر و ثابت قدمی کا ثبوت دیا تو میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ بالآخر پولیس اور فوج جواب دے دے گی کہ یہ مظاہرین ہمارے ہی ہم مذہب اور ہم وطن ہیں۔ ہمارے ہی اعزا و اقربا ہیں۔ یہ لوگ اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے میدان میں نہیں آئے ہیں بلکہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اس کے نفاذ کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے نکلے ہیں تو آخر ہم کب تک ان کو اپنی گولیوں سے بھونتے چلے جائیں!! نتیجہ یہ نکلے گا کہ حکومت کا تختہ الٹ جائے گا اور تحریک کامیابی سے ہمکنار ہوگی جیسا کہ میں ایران کی مثال بیان کر چکا ہوں کہ شہنشاہ ایران جیسے آمر مطلق کو بھی ایسی صورت حال میں بہ حسرت و یاس ملک کو چھوڑ کر فرار ہونا پڑا..... تو یہ دو ممکنہ صورتیں تو تحریک کی کامیابی کی ہیں۔

ایک تیسرا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ حکومتِ وقت اس تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے' تو جن لوگوں نے اس راہ میں جانیں دی ہوں گی ، ان کی قربانیاں ہرگز ضائع نہیں ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اجرِ عظیم اور فوزِ کبیر سے نوازے جائیں گے انشاء اللہ العزیز۔ ہم نظام کو بالفعل بدلنے کے مکلف یعنی ذمہ دار نہیں ہیں البتہ اس کو بدلنے کی جدوجہد ہم پر فرض ہے مزید برآں انہی جان نثاروں اور سرفروشوں کے خون اور ہڈیوں کی کھاد سے انشاء اللہ جلد یا بدیر کوئی نئی انقلابی اسلامی تحریک ابھرے گی جو طاغوتی استحصالی اور جابرانہ نظام کو للکارے گی اور اس طرح وہ وقت آکر رہے گا جس کی خبر الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ پورے کرہ ارض پر اللہ کا دین اسی طرح غالب ہو کر رہے گا جس طرح آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں جزیرہ نمائے عرب پر غالب ہوا تھا۔

اقول قولی هذا و استغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات۔

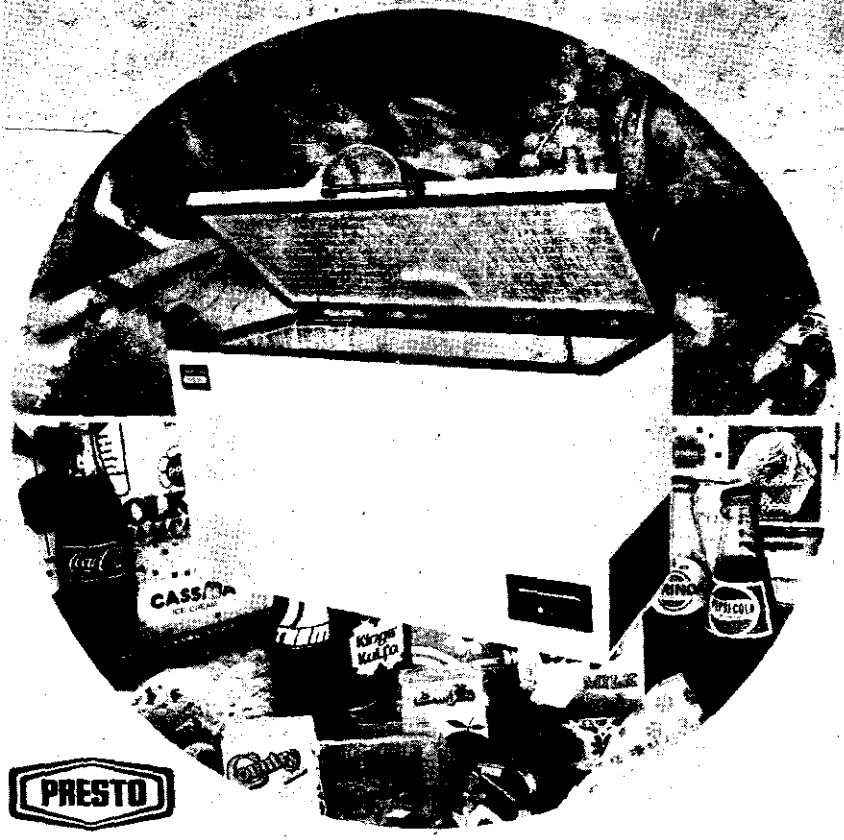

PRESTO
FREEZERS
CASSIMA
ICE CREAM
Kinga
Kulfa
MILK
PEPSI-COLA
PRESTO
Manufactured By
SALEEM SONS

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر شدہ ڈاکٹر اسرار احمد کے دروس قرآن کا سلسلہ

الہدیٰ

درس ۱۲ نشست ۵۹

مباحث عمل صالح

مسلمانوں کی سیاسی و ملی زندگی کے رہنما اصول

سورۃ الحجرات کی روشنی میں

(۶)

الحمدللہ و کفی و الصلوۃ و السلام علی عبادہ الذین اصطفی - اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم
قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ (الحجرات - ۱۴)

صدق اللہ العظیم

"یہ بدو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ (یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے) اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا' تاہم اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو گے تو اللہ تمہارے اعمال (کے اجر و ثواب) میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے' رحم فرمانے والا ہے"۔

معزز حاضرین اور محترم ناظرین...... یہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۴ ہے' جس کی آپ

نے تلاوت بھی سماعت فرمائی اور ترجمہ بھی سنا۔ یہ بات نوٹ فرمالیجئے کہ ایک خاص مضمون کے اعتبار سے یہ قرآن مجید کی اہم ترین آیت ہے اور وہ خاص مضمون ہے 'ایمان اور اسلام کا فرق۔ ۔ قرآن مجید میں اکثروبیشتر 'ایمان واسلام' اور 'مومن ومسلم' ہم معنی اور مترادف الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جو مومن ہے وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ مومن ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے انگریزی میں ہم کہتے ہیں : 'CALL THE ROSE BY ANY NAME, IT WILL SMELL AS SWEET' اس لئے کہ ایمان ایک باطنی کیفیت ہے جبکہ اسلام اس کا عالمِ واقعہ میں ظہور ہے۔ اب جس شخص میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ دل میں ایمان بھی ہے عمل میں اسلام بھی ہے..... اسے آپ چاہے مومن کہیں' چاہے مسلم کہہ لیں' کوئی فرق واقع نہیں ہوگا۔ لیکن یہاں آپ نے ترجمہ سے نوٹ کیا ہوگا کہ اس آیۂ مبارکہ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل لایا گیا ہے۔ ایک معیّن گروہ ہے جس کے دعوئ ایمان کی پرزور نفی کی گئی ہے۔ "لَمْ تُؤْمِنُوْا" میں نہایت مؤکد نفی ہے' اسی لئے میں نے ترجمہ میں لفظ 'ہرگز' کا اضافہ کیا تھا کہ "تم ہرگز ایمان نہیں لائے" ..... عربی زبان میں فعل ماضی میں نفی پیدا کرنے کیلئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ماضی ہی پر "ما" کا اضافہ ہوجائے' جیسے مَا اٰمَنْتُمْ ..... "تم ایمان نہیں لائے ہو" ..... دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ فعل مضارع پر "لم" داخل کیا جائے۔ یہ تاکید کے لئے ہوتا ہے..... لَمْ تُؤْمِنُوْا "تم ہرگز ایمان نہیں لائے"۔ بات مکمل تھی' لیکن اسے یہ فرما کر مزید مؤکد کیا: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ..... "اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا"..... وہ تو صرف تمہاری زبانوں پر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہاں ایمان کی تو نفی ہو گئی' نہایت مؤکد نہایت تاکیدی اسلوب سے..... بایں ہمہ ان کا اسلام تسلیم کیا جارہا ہے: وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا "البتہ تم کہہ سکتے ہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں' ہم مسلمان ہو گئے ہیں' ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے"۔ اس لئے کہ اسلام کے لفظی معنی ہیں TO SURRENDER اور TO GIVE UP RESISTANCE ۔ مقابلہ ومقاومت اور مخالفت ومزاحمت چھوڑ کر سرِ تسلیم خم کر دینا۔ اسے فارسی میں کہا جائے گا "گردن نہادن"۔ تو فرمایا گیا کہ یہ بدو کہہ سکتے ہیں کہ ہم اسلام لے آئے ہیں یعنی ہم نے اطاعت قبول کر لی ہے۔

آگے فرمایا گیا وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا یعنی اگر تم اس اطاعت پر کاربند رہو گے' اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو گے تو

تمہارے اعمال قبول کر لئے جائیں گے' ان کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ تمہارا اسلام تسلیم ہے لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم ایمان لے آئے ہو تو یہ تمہارا بڑا مغالطہ ہے' اس کی تصحیح کر لو۔ آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ پر: اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ "یقیناً اللہ نہایت بخشنے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے"۔ یعنی یہ جو رعایت دی جا رہی ہے کہ قلبی ایمان کے بغیر تمہارے اسلام اور تمہاری اطاعت کو قبول کرنے اور تمہاری مغفرت کرنے' تم پر رحم فرمانے کی بشارت دی جا رہی ہے' وہ اس کی شانِ غفاری ورحیمی کے طفیل ہے۔ اس کی مزید وضاحت میں انشاء اللہ آگے کروں گا۔

اب ہم ذرا دو پہلوؤں سے اس آیت پر غور کریں گے۔ پہلے تو ہم اُس پہلو سے اس آیتِ مبارکہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جسے تاویلِ خاص کہتے ہیں' یعنی قرآن مجید کا جو زمانۂ نزول ہے اور جو حالات پس منظر میں ہیں' ان کے حوالے سے سمجھا جائے کہ وہ کون لوگ تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اس بات کی تفہیم کے لئے سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے جو مختلف ادوار ہیں' ذرا ان کو ذہن میں لائیے۔ جب تک حضورؐ مکہ میں تشریف فرما رہے' سب کو معلوم ہے کہ مسلمان کمزور تھے' کفر کا غلبہ تھا' جو شخص اسلام قبول کرتا تھا' اسے ستایا جاتا تھا' طرح طرح کی ایذائیں پہنچائی جاتی تھیں اور ہر قسم کے تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ لہٰذا صرف وہی شخص زبان پر کلمۂ شہادت لاتا تھا' جس کے دل میں یقین کامل پیدا ہو چکا ہوتا تھا۔ اتنا پختہ یقین کہ وہ اس کلمۂ حق کی ادائیگی پر اپنی جان کی قربانی دینے کیلئے ہمہ وقت تیار ہوتا تھا۔ اتنا گہرا یقین کہ وہ اس کلمۂ شہادت کو ادا کرنے پر دنیا کی ہر شے کو تج دینے کیلئے ہر وقت آمادہ ہوتا تھا۔ جب اس درجے میں اُس کے دل میں اللہ پڑا اس کی توحید پر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر اور بعث بعد الموت' حشر ونشر' جزا و سزا پر ایمان جاگزین ہو جاتا تھا' تب وہ کہتا تھا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ..... یعنی وہاں ایمان پہلے تھا اور اسلام بعد میں آیا' لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تب حالات بدل گئے۔ اب اسلام کے غلبہ کا دور شروع ہوا۔ یثرب جو بعد میں مدینۃ النبی بنا' پہلے ایک 'شہری ریاست' تھی' پھر اس کا غلبہ بڑھتا چلا گیا۔ لہٰذا جیسے جیسے حالات بدلتے چلے گئے اور اسلام ایک غالب قوت کی حیثیت اختیار کرتا چلا گیا ویسے ویسے مکّی دَور والی کیفیت بھی بدلتی چلی گئی۔ اب اُن مصائب وشدائد سے سابقہ پیش آنا ختم ہو گیا' جن کا سلسلہ مکہ میں بارہ تیرہ سال جاری رہا تھا۔

اس تبدیل شدہ صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ کچے پکے لوگ بھی اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اب چونکہ کسی تشدد اور جور و تعدی کا کوئی خطرہ موجود نہیں تھا' لہٰذا لوگ جوق در جوق اسلام قبول کرنے لگے۔ اوس و خزرج کے پورے کے پورے قبیلے ایمان لے آئے۔ ظاہر بات ہے کہ چشم زدن میں ان کے دلوں میں حقیقی ایمان جاگزین نہیں ہو جاتا تھا' چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقین کی ایک جماعت کا ظہور ہونا شروع ہوا۔

پھر فتح مکّہ کے بعد صورتحال بالکل بدل گئی۔ اب تو گویا عرب میں سب سے بڑی طاقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ جب قریش شکست کھا چکے اور طائف کے دو مضبوط قبائل ہوازن اور ثقیف بھی مغلوب ہو گئے تو اب عرب میں اور کون تھا جو جناب محمد رسول اللہؐ کے مدِمقابل آتا۔ لہٰذا تمام قبائل عرب میں ایک رو چلی۔ سب نے اپنی اپنی جگہ طے کیا کہ نبی اکرمؐ سے مقابلہ کرنے اور آپؐ کی مزاحمت کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اب ہم آپؐ کی پیش قدمی میں مزاحم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا خود ہی مدینہ چلیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لیں..... یہ ہے وہ نقشہ جو آخری پارے کی سورۃ النصر میں آتا ہے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ کبھی یہ عالم تھا کہ مکہ میں مہینوں میں چند لوگ ہی ایمان لائے ہوں گے اور اب یہ منظر ہے کہ ہزاروں افراد کے قبیلے کا وفد دفعۃً آیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا یا بالفاظ دیگر اطاعت تسلیم کر لی۔ لیکن اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ اس اجتماعی فیصلے کے نتیجے میں ان کے دلوں کی کیفیت بھی چشم زدن میں بدل گئی۔ لہٰذا اب ایسے لوگ بھی وجود میں آ گئے جو مسلم تو ہیں' جنہوں نے اطاعت قبول کر لی ہے' جو کلمۂ شہادت ادا کر رہے ہیں' لیکن 'مومن' ہونا ابھی انہیں حاصل نہیں ہوا۔

یہ بات پیش نظر رکھئے کہ جتنے قبائل بھی ایمان لائے ان میں سب کی کیفیت یہ نہیں تھی۔ البتہ کچھ لوگ یقیناً ایسے بھی تھے جن سے یہ خطاب ہو رہا ہے۔ اعراب یعنی بدوؤں کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۹۹ میں یہ وضاحت موجود ہے: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ "اور بدوؤں' بادیہ نشینوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور یوم آخر پر پختہ یقین رکھتے ہیں اور وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا تقرّب حاصل کرنے کیلئے اور رسول

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے دعائیں لینے کا ذریعہ بنانے کے لئے۔ یادرکھو ان کا خرچ کرنا بے شک موجبِ قربت ہے۔ اللہ ان کو ضرور اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بے شک اللہ نہایت مغفرت فرمانے والا' بڑا رحم فرمانے والا ہے"..... یہ آیتِ مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سب بدّو ایسے نہیں تھے۔

اب ذرا اس آیتِ مبارکہ پر تاویلِ عام کے اعتبار سے غور کیجئے۔ اب اگر ہم اپنی صورتحال پر غور کریں گے تو ہمیں محسوس ہو گا کہ ہماری عظیم اکثریت کا معاملہ بھی یہی ہے۔

ہم نے اپنے انتخاب (CHOICE) سے تو ایمان قبول نہیں کیا۔ ہمیں دولت ایمان سوچ سمجھ کر' اپنے فیصلے سے حاصل نہیں ہوئی' بلکہ ہمیں تو اسلام وراثتاً مل گیا ہے۔ وہاں فتح مکہ کے بعد ایک رو چلی تھی کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں ایک نسلی تسلسل ہے' ایک سلسلہ ہے جو نسل کی وجہ سے منتقل ہو رہا ہے۔ تو ہم میں سے بھی اکثر و بیشتر درحقیقت اسی آیت کا مصداق ہیں۔ الا ماشاء اللہ جن کو اللہ تعالیٰ حقیقی و قلبی ایمان وایقان کی دولت نصیب فرمادے۔ اور بہرحال ایسے افراد ہر دور میں موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں' لیکن اگر ہم اکثریت کو سامنے رکھ کر غور کریں گے تو معاملہ اُسی مقام پر نظر آئے گا کہ اسلام ہے' کلمۂ شہادت ہے' لیکن دلی یقین والی کیفیت شاذ و نادر ہی نظر آئے گی۔ وہ یقین جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں! یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی' کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری!

تو یہ یقین عنقا ہے۔ یہ شے وہ ہے جو شاذ شاذ ہی نظر آتی ہے۔

اب اگر ہم اس صورتحال کو سامنے رکھ کر اس آیت پر مزید غور کریں تو ایک بات ہمارے لئے بڑی امید افزا ہے' نویدِ جانفزا ہے کہ جیسے ان بدّوؤں سے کہا گیا کہ اگر تم اپنے سینوں میں جھانکو اور تمہیں محسوس ہو کہ وہ یقین والی بات حاصل نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو..... "اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت پر کاربند رہو گے تو ہم تمہارے اعمال میں کچھ کمی نہیں کریں گے"۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑی رعایت ہے۔ غور کیجئے کہ اگر منطقی اور اصولی طور پر بات سمجھی جائے تو وہ یہ ہو گی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہونا چاہئے' لیکن یہاں رعایت دی جا رہی ہے کہ کوئی شخص اپنے دل کو ٹٹولے اور

محسوس کرے کہ یقین والی کیفیت موجود نہیں ہے تو بھی مایوس نہ ہو۔ اس حالت و کیفیت میں بھی اگر تم اطاعت پر کاربند رہو گے' نافرمانیوں سے بچو گے تو ہم تمہارے اعمال قبول کر لیں گے۔ ان میں کوئی کمی اور کوتی نہیں کریں گے۔

اب ذرا پھر غور کیجئے کہ آیت کا اختتام اللہ تعالیٰ کی کن صفات پر ہو رہا ہے! فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ "اللہ غفور ہے' رحیم ہے"۔ یہ اس کی شانِ غفاری کا صدقہ اور اس کی شانِ رحیمی کا طفیل ہے کہ وہ تمہارے ساتھ یہ نرمی برت رہا ہے۔ تمہیں یہ رعایت دے رہا ہے کہ اگر ایمانِ حقیقی اور یقینِ قلبی میسّر نہ ہو تب بھی اگر تم اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو گے تو تمہارے اعمال قبول کر لئے جائیں گے۔ تمہارے اجر و ثواب میں ذرہ برابر کوئی کمی اور کوتی نہیں ہوگی: لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

البتہ اس میں ایک انتباہ بھی ہے کہ اسے کہیں انسان اپنے لئے ایک کھلا لائیسنس نہ سمجھ لے' کھلی چھٹی نہ سمجھ بیٹھے۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ حقیقی ایمان کے حصول کی کوئی کوشش ہی نہ کرے۔ اس لئے کہ از روئے قرآن مغفرت کے لئے کلّی اطاعت مطلوب ہو گی۔ جزوی اطاعت' اطاعت نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعض احکام کو مان لینا اور بعض احکام کو ترک کر دینا' بعض کو سر آنکھوں پر رکھنا اور بعض کو پاؤں تلے روند دینا' یہ اطاعت نہیں ہے۔ یہ جسارت ہے' یہ ڈھٹائی ہے' یہ گستاخی ہے۔ یہ اللہ کے ساتھ تمسخر و استہزاء ہے۔ وہ جو کہتے ہیں بازی بازی باریش بابا ہم بازی! یہ کھیل تم اللہ کے ساتھ کھیل رہے ہو! یہ مذاق تم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کر رہے ہو! نماز پڑھنے کا حکم کس کا ہے؟ اللہ کا! وہ تو ہم پڑھیں ہے۔ اللہ ہی کا حکم ہے روزہ رکھو' ہم رکھیں گے' اللہ ہی کا حکم ہے کہ رشوت نہ لو' لیکن اُسے ہم نہیں مانیں گے۔ اس کے کیا معنی ہیں! یہ کہ اللہ کے بعض احکام کو تو سر آنکھوں پر رکھا اور بعض کو پاؤں تلے روند دیا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ جسارت ہے' ڈھٹائی ہے' اللہ کے جناب میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ اس پر سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۵ میں جو تنبیہہ کی گئی ہے' اُسے میں آپ حضرات کے سامنے لے آنا چاہتا ہوں وہاں فرمایا گیا اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ "کیا تم ہماری کتاب اور شریعت کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کو نہیں مانتے"؟ ——————

سود کی حرمت بھی تو اسی قرآن میں ہے۔ رشوت لینے اور دینے سے منع بھی تو اسی شریعتِ اسلامی نے کیا ہے' جس میں عباداتِ مفروضہ کا حکم ہے۔ اسی رویّہ کے متعلق فرمایا: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ - یہ رویّہ اور یہ وطیرہ اختیار کرنے والوں کیلئے آگے وعید آئی ہے: فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا "پس کوئی سزا نہیں ہے اُس شخص کی جو تم میں سے یہ طرزِ عمل اختیار کرے گا سوائے اس کے کہ اسے دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار کر دیا جائے" - وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ "اور قیامت کے دن انہیں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور جان لو کہ اللہ غافل اور بے خبر نہیں ہے اس سے جو تم کر رہے ہو" - تم لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہو' تم لوگوں کی زبانیں بند کر سکتے ہو لیکن اللہ سے کوئی چیز چھپا نہیں سکتے۔

تو یہ ہے نہایت زوردار انتباہ..... کسی وقت کوئی خطا ہو جائے' وہ بات اور ہے..... جذبات سے مغلوب ہو کر انسان کوئی غلطی کر بیٹھا' یہ بات اور ہے۔ وہ فوراً رجوع کرے گا' توبہ کرے گا۔ توبہ پر ہماری ان مجالس میں بڑی تفصیل سے گفتگو ہو چکی ہے۔ میں مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ راہ چلتے ہوئے کہیں پھسل کر کیچڑ میں گر جائیں تو وہاں پڑے نہیں رہتے' بجلی کی طرح اٹھتے ہیں۔ یہی معاملہ توبہ کا ہے۔ پاؤں پھسل سکتا ہے' لغزش ہو سکتی ہے۔ انسان کسی معصیت میں' کسی گناہ میں' کسی غلط کام میں ملوث ہو سکتا ہے۔ ماحول کے کچھ وقتی اثرات غالب آ جائیں' کسی وقت نفس میں کوئی طوفان آ گیا ہو' جس کے باعث آپ کے حواس مختل ہو جائیں' آپ جذبات کی شدت سے مغلوب ہو جائیں اور آپ کوئی غلط کام کر بیٹھیں۔ تو اگر اللہ کا خوف ہے' خدا ترسی ہے' آخرت کا استحضار ہے تو آپ ہوش میں آتے ہی رجوع کریں گے' پلٹیں گے' ندامت اور پشیمانی ہو گی۔ آپ اپنی خطا کا اللہ کے سامنے اقرار کریں گے' سچے دل سے توبہ کریں گے۔ گڑگڑا کر اس سے استغفار کریں گے' اس سے عفو کے طالب ہوں گے تو آپ کے ساتھ معاملہ یہ ہو گا ؎

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

وقتی طور پر خطا کا صدور ہو جانا' کوئی گناہ کر بیٹھنا' کسی معصیت کا ارتکاب ہو جانا' بالکل دوسری بات ہے لیکن کسی معصیت پر مستقل ڈیرہ لگا کر بیٹھ جانا' اپنی زندگی میں کسی حرام کام کو

مستقل طور پر جاری رکھنا' یہ بالکل وہی بات ہے کہ:..... اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ..... اس وطیرے اور رویئے پر جو وعید آئی ہے اس کے تناظر میں آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ ہم جو یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

یعنی ہم دنیا میں کیوں ذلیل ہو گئے! کیوں رسوا ہو گئے اور اس ذلّت و رسوائی میں اضافہ کیوں ہوتا چلا جا رہا ہے' تو اس کا جواب سورۃ البقرۃ کی اسی آیت میں موجود ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ہم نے شریعت اسلامی کے حصے بخرے کر رکھے ہیں کہ ایک کو مانیں گے' ایک کو نہیں مانیں گے۔ اسی گستاخانہ رویئے کی سزا بیان ہوئی:..... خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - "دنیا کی زندگی میں رسوائی' ذلت اور خواری" - یہی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے اور اسی رویّہ کی وجہ سے ہم اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کا مستحق بنا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ غفاری و رحیمی سے اگر چھٹکارا مل جائے تو بات دوسری ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کے بارے میں اب آخری بات نوٹ کیجئے۔ اپنی جگہ پر اس کا یہ مضمون بہت اہم ہے کہ اس میں اسلام اور ایمان کو علیٰحدہ کر دیا گیا..... اور میں نے عرض کیا تھا کہ اس مضمون کے اعتبار سے یہ آیت قرآن مجید کی چوٹی (CLIMAX) ہے' ذروۃ السنام ہے..... اب سوال یہ ہے کہ سورۃ الحجرات میں مسلمانوں کی حیاتِ ملی کے جو مضامین آ رہے ہیں' اُن سے اس کا ربط و تعلق کیا ہے! اس لئے کہ ہر سورۃ کا جو مرکزی مضمون ہے اس کی تمام آیات اس کے ساتھ مربوط ہوں گی ..... وہ ربط یہ ہے کہ چاہے مسلمانوں کے معاشرے میں شمولیت و شرکت کا معاملہ ہو' چاہے اسلامی ریاست کی شہریت کا معاملہ ہو' ان دونوں کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تو قانونی معاملہ ہے۔ ایک مسلمان مرد کی شادی ایک مسلمان عورت سے ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان عورت کا نکاح صرف ایک مسلمان مرد سے ہو سکتا ہے۔ مسلمان باپ کی وراثت مسلمان اولاد ہی کو منتقل ہو سکتی ہے۔ یہ خالص قانونی مسئلہ ہے۔ اسلامی ریاست کا شہری مسلمان ہو گا۔ اسلام اس کی بنیاد ہے۔ لہٰذا طے کرنا پڑے گا کہ کون مسلمان ہے' کون نہیں ہے۔ جبکہ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو وہ ایک باطنی کیفیت ہے' وہ دل میں ہوتا ہے۔ دل میں یقین ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ آج بھی ہمارے پاس کوئی آلہ اور ذریعہ موجود نہیں ہے کہ جس کی مدد سے ہم یہ طے

کر سکیں کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔ لہٰذا دنیا میں مسلمان معاشرے میں کسی کی شرکت و شمولیت اور اسلامی ریاست کی شہریت کی بنیاد اسلام ہے' ایمان نہیں ہے۔ البتہ آخرت میں ہمارا جو انجام ہونا ہے اس کی بنیاد ایمان ہے..... اور اب سوال پیدا ہو جائے گا کہ حقیقی ایمان کسے کہتے ہیں اور اس کے خصائص کیا ہیں!..... وہ ہے اس سورۂ مبارکہ کی اگلی آیت کا موضوع جسے انشاء اللہ ہم اگلی نشست میں پڑھیں گے۔ آج جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کے ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

○ س..... ڈاکٹر صاحب' آپ نے اس آیت کی روشنی میں اسلام اور ایمان کا فرق واضح فرمایا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام اور نفاق میں کیا فرق ہے؟

☆ ج..... اصل میں' میں نے نفاق کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ اس آیتِ مبارکہ میں اس کا ذکر نہیں ہے' اس میں اسلام اور ایمان ہی کا ذکر ہے۔ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ یہاں جن لوگوں سے خطاب ہے' شاید وہ منافق ہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے' اس لئے کہ منافق کا تو کوئی بھی عمل قبول نہیں کیا جائے گا۔

لیکن یہاں جن اعراب کا تذکرہ ہے' ان کے اعمال کو قبول کرنے کی سند دی جا رہی ہے۔ لہٰذا یہ منافق نہیں ہو سکتے۔ اب اگر آپ چاہیں تو ایک تقسیم اپنے ذہن میں رکھ لیں' وہ بہت مفید ہوگی۔ وہ یہ کہ قانونی سطح پر تو تقسیم ہے صرف ایک' اور وہ ہے مسلم اور غیر مسلم کی۔ کوئی شخص مسلم ہوگا یا غیر مسلم۔ اُسے آپ کافر کہیں گے۔ وہ یہودی ہو' نصرانی ہو' مجوسی ہو' بت پرست ہو' کچھ بھی ہو' اس کے لئے ایک لفظ ہوگا غیر مسلم۔ البتہ جو مسلم ہے' اس کی ایک حالت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دل میں نفاق ہو۔ منافق بھی قانوناً مسلمان ہی شمار ہوتا ہے۔ دوسری کیفیت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے دل میں ایمان کا نور موجود ہو تو وہ مومنِ صادق ہو گیا۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دل میں نہ تو نفاق ہو اور نہ ایمان ہو۔ دل میں کچھ بھی نہیں ہے' نہ نیت کا فساد ہے نہ مسلمانوں کو دھوکہ دینا مقصود ہے۔ لیکن ایمانِ حقیقی بھی ابھی دل میں داخل نہیں ہوا۔ یہ کیفیت خلاء کی ہوگی اور یہی کیفیت ہے جو اس آیتِ مبارکہ میں بیان ہوئی۔ ورنہ اگر دل میں نفاق ہو تو اس کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہو سکتا۔ اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح حقیقی ایمان کا ظہور ایک مسلمان کے خارج میں اعمالِ صالحہ یعنی اسلام کی صورت میں ہوتا ہے' اسی طرح اخلاص کے ساتھ کلی اطاعت پر کاربند اور پابند رہنے

کی صورت میں دل میں حقیقی ایمان کا نور بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

○ س..... ڈاکٹر صاحب' یہ فرمایئے کہ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں؟

☆ج..... محدثین کرامؒ میں سب سے بڑے محدث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فقہائے کرامؒ میں سیّد الفقہاء امام اعظم' امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں۔ امام بخاریؒ اس کے قائل ہیں کہ ایمان بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:..... یزید و ینقص ..... امام ابو حنیفہؒ اس کے قائل ہیں کہ ایمان نہ بڑھتا ہے نہ گھٹتا ہے' وہ فرماتے ہیں:..... لا یزید و لا ینقص ..... ان دونوں حضرات کی آراء میں اس طور پر مطابقت کی جا سکتی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چونکہ فقیہہ ہیں' لہٰذا وہ قانونی ایمان کی بات کر رہے ہیں۔ دنیا میں انسان کو جو قانونی تشخّص حاصل ہوتا ہے وہ جامد ہے' وہ نہ گھٹے گا' نہ بڑھے گا۔ اگر ایک شخص کے دو بیٹے ہیں' ایک بہت متقی و صالح ہے' دوسرا فاسق و فاجر ہے' لیکن ہے مسلمان' تو باپ کی وراثت دونوں کو برابر ملے گی۔ یہ نہیں ہو گا کہ متقی و صالح کو زیادہ ملے' تہجد گزار کو زیادہ حصہ ملے اور دوسرے فاسق و فاجر اور بے نمازی کو کم حصہ ملے..... البتہ جو یقین والا ایمان ہے' قلبی ایمان ہے' وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ قلب کی کیفیت ایک جیسی رہتی ہی نہیں' وہ تو الٹتا پلٹتا رہے گا۔ قرآن مجید کی تلاوت کیجئے' ایمان بڑھے گا۔ صاحبِ یقین کی صحبت میں بیٹھئے' یقین میں اضافہ ہو گا..... لغو اور بے ہودہ مشاغل اختیار کیجئے' برے لوگوں کی صحبت میں بیٹھئے' عباداتِ مفروضہ کو ترک کیجئے' لازماً دل والے حقیقی ایمان میں کمی واقع ہو گی۔

حضرات! آج ہم نے اسلام اور ایمان کے فرق کے متعلق بہت اہم مسائل کو سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمانِ حقیقی سے بہرہ مند کرے۔ اسلام بھی بہت بڑی دولت ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں یہ دولت وراثتاً عطا فرما دی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کا شکر ہم پر واجب ہے اور وہ اس طرح ادا کیا جانا چاہیے کہ ہم پورے اسلام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں اور اپنے قلوب میں ایمانِ حقیقی اور یقینِ قلبی کی شمع روشن کرنے کی شعوری کوشش کرتے رہیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

اللّٰھمّ من احییتہ مِنّا فاحیہ علی الاسلام و من توفیتہ منّا فتوفہ علی الایمان

و آخر دعوانا ان الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیت

داعیٔ انقلاب

ڈاکٹر اسرار احمد

کا ایک پُر تاثیر اور فکر انگیز خطاب

ترتیب و تسوید (شیخ) جمیل الرحمٰن

(۳)

تین تکمیلی مراحل

سیرتِ مطہرہ سے انقلاب محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے جو تین تکمیلی مراحل میں نے اخذ و مستنبط کئے ہیں، انہیں گنتی کے اعتبار سے میں چوتھا، پانچواں اور چھٹا مرحلہ کہتا ہوں وہ ہیں صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) - اقدام (ACTIVE RESISTANCE) اور مسلح تصادم (ARMED CONFLICT) ـــــ ان میں سے چوتھا مرحلہ یعنی صبرِ محض تو پہلے مرحلہ یعنی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے جس کی وضاحت آگے بیان ہوگی۔ اس موقع پر بغرضِ تفہیم میں اسے علیحدہ بیان کر رہا ہوں۔

ان تینوں مراحل کا ایک جامع عنوان ہے تصادم ـــــ لفظ ثقیل بھی ہے اور میں نے اسے بارعب انداز سے بولا بھی ہے۔ آپ حضرات چونک گئے ہوں گے کہ میں تصادم کی بات کر رہا ہوں ـــ لیکن اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ انقلاب کے لئے تصادم ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر انقلاب نہیں آسکتا۔ جسے پسند نہ ہو وہ گھر بیٹھے ؎

تپتی راہیں مجھے پکاریں دامن پکڑے چھاؤں گھنیری

اب اس بات کو سمجھئے کہ تصادم سے مراد کیا ہے؟ پھر یہ کہ تصادم شروع کون کرتا ہے!!

جان لیجئے کہ تصادم کا آغاز کرنے والے انقلابی ہوا کرتے ہیں ــــ سیرتِ طیبہؐ کے متعلق عام طور پر جو باتیں بیان کی جاتی ہیں، میں ان کے بالکل برعکس باتیں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

تصادم سے مراد: غور کیجئے کہ بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے وقت عرب میں ایک نظام قائم ہے۔ صحیح ہے یا غلط۔ اس بات کو نظر انداز کر دیجئے اور دیکھئے کہ لوگ اس نظام کے تحت رہ رہے ہیں اور اس نظام سے مطمئن ہیں ــــ مکّہ کو امّ القریٰ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس میں قریش کا قبیلہ آباد ہے۔ مکّہ ہی میں بیت اللہ واقع ہے جو خالص توحید کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ بقول "دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا" ــــ لیکن وہاں بت رکھے ہوئے ہیں ــــ عرب کے لوگ اسے مقدّس سمجھتے ہیں پھر خاص کعبۃ اللہ کے اندر طاقچوں میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے ہیں۔ ان بتوں کو پوجا جا رہا ہے۔ ان کی پرستش ہو رہی ہے۔ ان پر چڑھاوے چڑھائے جا رہے ہیں۔ مزید برآں پورے عرب میں جگہ جگہ استھان ہیں جہاں بتوں کی پُوجا ہو رہی ہے ــــ پھر مکّہ میں غلام بھی ہیں جو پِس رہے ہیں، لیکن وہ اپنی قسمت پر قانع ہیں۔ کوئی بےچینی نہیں ہے، کوئی ہلچل نہیں ہے، کوئی تحریک نہیں ہے۔ کوئی ردّعمل نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ جیسے ایک تالاب میں پانی پُرسکون ہو۔ اب اس تالاب میں اگر کوئی پتھر مارے تو ظاہر ہے کہ پانی میں ہلچل ہو گی! اب ذرا غور کیجئے کہ اس پُرسکون تالاب میں پہلا پتھر کس نے مارا! ــــ جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ــــ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ، یہ تھا پتھر جو مکّہ کی پُرسکون فضا میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مارا۔ یہ انقلابی نعرہ تھا۔ یہ بغاوت کا نعرہ تھا جو نبی اکرمؐ نے لگا۔ اس کلمۂ توحید سے ان کے اخلاق کی نفی، ان کی معاشرت کی نفی، ان کے مذہب کی نفی، ان کے اعتقادات کی نفی ــ اور ان اعتقادات کی بنیاد پر ان کے رائج الوقت نظام کی کُلّی نفی ہو رہی ہے۔

کلمہ توحید کی جامعیّت اور اس کے اہداف

اب اصل بات سمجھئے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ محض اعتقادی بحث و نزاع تھی۔ یہ محض RELIGIOUS CONTROVERSY تھی۔ یہ بات نہیں تھی بلکہ یہ ان کے نظام کی اور ان کے مفادات کی نفی تھی، اس لئے کہ انہوں نے بیت اللہ کو جو بتوں سے آباد کیا ہوا تھا اور کعبۃ اللہ میں جو تین سو ساٹھ بت رکھ چھوڑے تھے تو یہ یوں ہی نہیں تھا بلکہ اس مشرکانہ نظام سے ان کے معاشی و سیاسی مفادات وابستہ تھے۔ پورے عرب کے 'خدا'، ان کے پاس گویا بطور یرغمال رکھے ہوئے تھے۔ تمام قبائل عرب کا سب سے بڑا مذہبی مرکز کعبہ اور اس کے متولّی قریش۔ تو اس طرح

قریش کو پورے عرب پر مذہبی فوقیت و سیادت حاصل ہو گئی تھی ـــــ عرب جیسا ملک جسکے کثیر تعداد میں قبائل کا پیشہ غارت گری اور لوٹ مار تھا۔ اس صورت حال میں یہ ممکن نہ تھا کہ ان کی دست برد سے کسی دوسرے قبیلہ کا تجارتی قافلہ بچ کر جا سکے، یہ بہت مشکل تھا لیکن قریش کے قافلوں کی طرف کوئی بھی قبیلہ نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

قریش کی مذہبی و معاشی سیادت کے اسباب: غور کیجئے کہ ایسا کیوں تھا؟ ۔ یہ اس لئے تھا کہ ان کے "خدا" قریش کے پاس رکھے ہوئے ہیں: HOSTAGES ہیں، یرغمالی ہیں۔ پھر دورِ جاہلیت سے عربوں میں ذی الحجہ میں حج کے مناسک کو ادا کرنے کا سلسلہ ایک عظیم مذہبی عبادت کے طور پر رائج و قائم تھا۔ دورانِ سال عمرے کا رواج بھی باقی تھا۔ اور قریش بیت اللہ اور کعبۃ اللہ کے مجاور و متولی تھے۔ ان کو ناراض کر کے حج اور عمرے کی قدیم "عظیم عبادت" کو ادا کرنا ناممکن تھا۔ یہ وجوہ تھیں جن کے باعث قریش کو پورے عرب کے اندر وہ سیاسی و مذہبی قیادت اور معاشی منفعت حاصل تھی کہ ان امور میں پورے عرب میں ان کا کوئی مدِمقابل ہی نہیں تھا۔ اس دور میں پورے مشرق (EAST) اور مغرب (WEST) کے مابین جو تجارت ہوتی تھی۔ ایک طویل عرصے سے اس کی کڑی اور واسطہ (LINK) قریش بنے چلے آرہے تھے۔ عملاً صورتِ حال یہ تھی کہ یمن کے ساحل پر جزائر غرب الہند، انڈونیشیا، ملائشیا، ہندوستان کا تجارتی سامان اترتا تھا اور مشرقی یورپ کا تجارتی سامان شام اور فلسطین کے ساحلوں پر اترتا تھا۔ ان ساحلوں کے درمیان تجارت کی کڑی (LINK) تھے قریش۔ ان کے قافلے اِدھر یمن کے ساحل سے سامان خرید کر اُدھر شام و فلسطین کے ساحلوں تک پہنچاتے۔ پھر وہاں سے یورپ کا سامان خرید کر اِدھر یمن کے ساحل پر لا کر فروخت کرتے تھے[1]۔ اس طرح پورے عرب میں معاشی طور پر قریش کو مرکزی حیثیت حاصل تھی جس کے سبب سے وہ نہایت امیر و کبیر تھے اور بہت عیش و آرام نیز امن و سکون میں بھی تھے۔ ان کے تجارتی قافلوں کو تحفظ کی ضمانت اسی بنیاد پر حاصل تھی کہ عرب کے تمام قبائل کے "آلِہَہ" ان کے پاس کعبہ شریف میں بطور یرغمال رکھے ہوئے تھے۔ پھر حج و عمرہ کے مناسک کے مقامات پر ان کا تسلط تھا۔ ان کی اجازت اور مرضی کے بغیر ان کی ادائیگی ناممکن تھی۔

---

[1] اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید کی سورۃ القریش میں: لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ (مرتب)

معاشی خوشحالی کا ایک اور سبب: مزید برآں قریش کی آسودہ حالی کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ عرب کے تمام قبائل حج، عمرہ اور زیارت کے لئے جب بھی مکہ آتے تھے تو ان بتوں پر چڑھاوے چڑھاتے جو بیت اللہ اور کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے تھے۔ غور کیجئے کہ آخر وہ چڑھاوے کہاں جاتے تھے! ظاہر ہے کہ ان بتوں کے پیٹ میں جانے سے تو رہے!! یہ چڑھاوے حسب مراتب قریش کے چودھریوں اور سرداروں میں تقسیم ہوتے تھے۔ لہٰذا اس مشرکانہ نظام کی بدولت ان کی معیشت بہت مضبوط تھی۔

روزِ روشن کی طرح عیاں ہے: اب آپ خود ہی نتیجہ نکال لیجئے کہ اس پورے مشرکانہ نظام کے خلاف نعرۂ بغاوت "لا الٰہ الا اللہ" کس نے بلند کیا! پُرسکون تالاب میں پہلا پتھر کس نے مارا اور ہلچل کس نے پیدا کی! پھر دیکھئے کہ یہ پتھر کہاں کہاں لگ رہا ہے! اس کی چوٹ کہاں کہاں تک پہنچ رہی ہے! — پس ثابت ہوگیا کہ تصادم شروع کرنے والے تھے: اسلامی انقلاب کے داعی، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چوتھا مرحلہ — تشدّد و تعذیب پر صبر محض

جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ گنتی کے اعتبار سے میں صبر محض (PASSIVE RESISTANCE) کو چوتھا مرحلہ شمار کر رہا ہوں، ویسے یہ مرحلہ پہلے ہی مرحلے یعنی انقلابی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی دعوت کو جو خالص توحید کی بنیاد پر اُٹھے، رائج الوقت مشرکانہ معاشرہ اور نظام اسے ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے نظام کے تحفظ کے لئے RETALIATE کرتا ہے۔ ردِّ عمل کا اظہار کرتا ہے اور تشدّد و تعذیب کا آغاز کرتا ہے۔

تشدّد اور تعذیب کے دو مرحلے: سیرت طیبہ میں ہمیں اس تشدّد کے دو مراحل ملتے ہیں۔ پہلا مرحلہ یہ کہ توحید کی انقلابی دعوت کے داعی اوّل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین سال تک زبانی کلامی تشدّد کا ہدف بنایا گیا ہے، آپ کا تمسخر اور استہزاء ہوا ہے۔ نقل کفر کفر نہ باشد، آپ کو جنونی، دیوانہ (FANATIC) کہا گیا ہے، ساحر و شاعر اور کاہن کہا گیا ہے۔ الغرض حضورؐ کو ذہنی اذیت اور کوفت پہنچانے اور آپؐ کی شخصیت کو مجروح کرنے اور آپؐ کی کردار کشی کرنے کے لئے تمام حربے استعمال کئے گئے ہیں، حالانکہ اعلانِ نبوت سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں کی آنکھوں کا تارا تھے۔ وہ

آپؐ کا تذکرہ الامین اور الصادق جیسے معزز خطابات اور القابات سے کرتے تھے ـــــ لیکن اعلانِ نبوّت کے ابتدائی تین سالوں تک اعصاب شکنی کی پوری کوشش ہوتی رہی ہے تاکہ آپؐ کے اعصاب ٹوٹ کر اور بکھر کر رہ جائیں۔ آپؐ میں وہ ہمت باقی نہ رہے کہ کھڑے رہ کر دعوتِ توحید پیش فرماتے رہیں ـــــ ان تین سالوں میں نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی جسمانی تشدّد ہوا ہے اور نہ آپؐ کی دعوت قبول کرنے اور آپؐ پر ایمان لانے والوں کو تعذیب کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ چونکہ ان کا خیال تھا کہ اعصابی جنگ میں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ ارادی کو ختم اور آپؐ کے اندر جو آہنی عزیمت ہے، اسے پگھلا کر رکھ دیں گے۔ اس طرح آپؐ پر ایمان لانے والوں کو بہ آسانی اپنے آبائی دین کی طرف لوٹا لائیں گے، ان کو RE-CLAIM کر لیں گے۔

دوسرا مرحلہ: آغازِ وحی کے چوتھے سال کے شروع میں دارالندوہ میں سرداران قریش باقاعدہ مشورہ کرتے ہیں کہ اب تک ہم نے جو تدبیریں اختیار کی ہیں وہ ناکام ہو چکی ہیں، ہماری حکمتِ عملی کامیاب اور مؤثر ثابت نہیں ہوئی۔ یہ دعوت جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی ہے پھر یہ کہ یہ آگ ہمارے بارود خانوں تک پہنچ گئی ہے۔ ہمارے غلاموں کے طبقہ کے لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں۔ ساتھ ہی ہمارے نوجوانوں میں آپؐ کی دعوت نفوذ کر رہی ہے جو ایک بڑے خطرے کی علامت ہے۔ چنانچہ وہ اس مشاورت میں طے کرتے ہیں کہ اب ان اہلِ ایمان پر جسمانی تشدّد کرو، ان کو اتنا مارو کہ ان کے ہوش ٹھکانے آجائیں۔ ہم میں سے جس کسی کو بھی جس پر کوئی اقتدار و اختیار حاصل ہے وہ ان پر ہر نوع کا تعذیبی حربہ استعمال کرے، انہیں جور و تعدّی اور ظلم و ستم کا نشانہ بنائے تاکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن چھوڑ کر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ سکیں ـــــ اب شدید قسم کے PERSECUTION کا ہدف بننے شروع ہوتے ہیں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور قریباً تمام اہلِ ایمان بھی۔

حضورؐ پر تشدّد: محبوبِ ربانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گردنِ مبارک میں چادر کا پھندا ڈال کر آپؐ کا گلا گھونٹنے کی کوشش ہوئی ہے کہ آنکھیں اُبل پڑنے کو ہو گئی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں تو اُن کو اتنا مارا جاتا ہے کہ جان کے لالے پڑ جاتے ہیں ـــــ حرم شریف میں عین سجدے کی حالت میں رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک شانوں پر اونٹ کی نجاست بھری اوجھڑی رکھ دی جاتی ہے محبوبِ رب العٰلمینؐ جب صبح منہ اندھیرے اپنے گھر سے اللہ کی عبادت کی غرض سے بیت اللہ تشریف لے جانے

کے لئے نکلتے ہیں تو آپؐ کی راہ میں کانٹے اور گوکھرو بچھا دیئے جاتے ہیں اور پائے مبارک کے تلوے زخمی ہو جاتے ہیں ــــ رحمۃ للعالمینؐ کے گھر میں آپؐ کے پڑوسی جو آپؐ کے سگے چچا اور چچی ہیں (ابولہب اور اس کی بیوی)، کوڑا کرکٹ حتٰی کہ غلاظت پھینکتے رہتے ہیں ــــ داعیٔ الی اللہ جب دعوت و تبلیغ کے لئے مکہ آنے والے کسی قافلے کے لوگوں کے پاس جاتے ہیں تو چند سرداران قریش جن میں ابولہب پیش پیش ہوتا ہے، آپؐ کے پیچھے غل غپاڑا کرتے چلتے ہیں کہ لوگو، انؐ کی بات نہ سننا یہ مجنون ہیں، دیوانے ہیں، ساحر ہیں' ــــ پھر معاشی و معاشرتی مقاطعہ ہے۔ تین سال کی شعب بنی ہاشم کی قید اور محصوری ہے۔ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی ہاشم کا پورا قبیلہ (ابولہب کے علاوہ) جن کی عظیم اکثریت اس وقت تک ایمان بھی نہیں لائی تھی اس جرم کی پاداش میں قید کر دیا گیا ہے کہ وہ قبائلی روایات کی بنیاد پر حضورؐ کے پشت پناہ تھے۔ تین سال کی اس محصوری میں ایسا وقت بھی آیا ہے کہ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ گھاٹی کی جھاڑیوں کے پتے سب کے سب کھا لئے گئے تھے اور بھوک اور پیاس کے مارے بنی ہاشم کے بچوں کی زبانیں خشک ہو گئی تھیں، جن کو تر رکھنے کے لئے سوکھے چمڑے ابال ابال کر ان کے حلقوں میں بوندیں ٹپکائی جاتی تھیں۔

یوم طائف: پھر "رسوا سرِ بازارے ــ آں شوخ ستمگارے" کا نقشہ دیکھنا ہو تو یوم طائف دیکھ لیجئے۔ وہاں ایک دن میں وہ کچھ بیت گیا جو مکہ میں دس سال میں نہیں بیتا تھا ــــ آغازِ وحی سے دس سال تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ صرف مکہ میں ہوتی رہی ہے۔ ان دس سالوں میں حضورؐ کو اپنے چچا ابوطالب کی پشت پناہی حاصل تھی جو اس وقت خاندان بنو ہاشم کے سردار تھے جو اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن چونکہ ان کو نبی اکرمؐ سے نہایت محبت تھی۔ چنانچہ حضورؐ کو ان کی حمایت حاصل تھی۔ پھر قریش کے نام سے جو قبیلہ مکہ میں آباد تھا وہ درحقیقت چند خاندانوں کے مجموعے اور اشتراک سے تشکیل پایا تھا جن میں 'بنو ہاشم' کو ایک بلند مقام حاصل تھا ــ خاندانوں کے اشتراک سے جو قبیلہ تشکیل پاتا ہے اس کی کچھ روایات ہوتی ہیں۔ جن میں یہ بھی شامل ہوتی ہے کہ جس فرد کو خاندان کے سردار و سربراہ کی حمایت حاصل ہو، خاندان کے ہر فرد کی بھی اسے حمایت حاصل ہوگی۔ چنانچہ ابولہب اور دو تین دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر پورا خاندانِ بنو ہاشم حضورؐ کی پشت پر تھا حالانکہ ان میں سے صرف گنتی کے لوگ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ لیکن جیسے ہی ابوطالب کی آنکھیں بند ہوئیں خاندان کی وہ پشت پناہی

ختم ہوگئی۔ گمان غالب ہے کہ ابوطالب کے انتقال کے بعد بنو ہاشم کی سرداری و سربراہی ابولہب کے ہاتھ میں آگئی تھی جو نبی اکرمؐ کا جانی دشمن تھا۔ ابوطالب کے انتقال کے بعد اِدھر بنو ہاشم کی حمایت ختم ہوئی اُدھر دارالندوہ میں قرارداد منظور ہوگئی کہ اب محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کو مزید مہلت نہ دی جائے اور انہیں قتل کر دیا جائے ۔ یہ حالات تھے کہ جن کے پیشِ نظر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم ایک متبادل BASE کی جستجو میں طائف تشریف لے گئے۔ آپ پاپیادہ تھے اور حضرت زید بن حارثہؓ ساتھ تھے۔

طائف پہنچ کر جب حضورؐ نے طائف کے سرداروں کے سامنے دعوت توحید و دعوت حق پیش فرمانی چاہی تو طائف کے سرداروں نے دعوت کو حقارت اور استہزاء کے انداز میں ٹھکرا دیا۔ انہوں نے جو کچھ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کہا، اُس کو سننے کے لئے بڑے جگرے کی ضرورت ہے ۔ نقلِ کفر کفر نہ باشد! ایک سردار نے کہا کہ "اللہ کو تم جیسے مفلس و قلاش کے سوا رسول بنانے کے لئے کوئی اور نہیں ملا۔ اس طرح تو وہ گویا خود کعبے کے غلاف کو چاک کر رہا ہے"۔ دوسرے نے کہا "میں تم سے بات کرنے کا بھی روادار نہیں اس لئے کہ اگر تم سچے ہو اور واقعۃً اللہ کے رسول ہو تو ہو سکتا ہے کہ کہیں میں توہین کا مرتکب ہو جاؤں اور عذابِ الٰہی کا مستوجب بن جاؤں۔ اور اگر تم جھوٹے ہو تو کسی جھوٹے سے کلام کرنا میری شان کے خلاف ہے"۔ ایسے ہی دل فگار جملے دوسرے سرداروں نے بھی کہے۔ پھر صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بظاہر احوال مایوس ہو کر لوٹنے لگے تو ان سرداروں نے کچھ غنڈوں کو اشارہ کر دیا۔ اوباش لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے ۔ پھر وہ نقشہ جما ہے کہ جس پر آسمان و زمین لرز گئے ہوں تو کوئی تعجب نہیں ۔ ان اوباشوں نے محبوب رب العٰلمین، سیّد المرسلین، خاتم النبیین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر پتھروں کی بارش شروع کر دی ہے۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈیوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضرت زیدؓ حضورؐ کو بچانے کے لئے اپنے جسم کو ڈھال بناتے ہیں لیکن پتھر مختلف اطراف سے برس رہے ہیں۔ اس پتھراؤ سے جسدِ مبارک لہولہان ہو گیا ہے۔ نعلین شریف خونِ اطہر سے بھر گئی ہیں اور پائے مبارک جم گئے ہیں۔ ایک موقع پر حضورؐ ضعف کے مارے ذرا بیٹھ گئے ہیں تو وہ غنڈے آگے بڑھتے ہیں اور بغلوں میں ہاتھ ڈال کر آپؐ کو کھڑا کر دیتے ہیں کہ چلو ۔ تالیاں پیٹی جا رہی ہیں۔ استہزائیہ فقرے چست کئے جا رہے ہیں ۔

حضورؐ کی درد بھری دُعا: نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم شہر سے باہر آکر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر تشریف رکھتے ہیں اور اس موقع پر وہ دعا حضورؐ کی زبان سے نکلتی ہے کہ جس کو پڑھتے، سنتے اور سناتے وقت کلیجہ شق ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ
"اے اللہ! کہاں جاؤں، کہاں شکوہ کروں! تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں، اپنی قوت اور اپنے وسائل کی کمی کی۔ اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے اس کی ــــ"
اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ
"اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟"
اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ
"پروردگار! اگر تیری رضا ہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں، مجھے اس تشدد کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔"

؎ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے ــ!

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ
"اے ربّ! میں تیرے رُوئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات بھی منور ہو جاتے ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ذاتی اعتبار سے ابتلاء اور امتحان کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ہے یوم طائف۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یوم احد کے بعد حضورؐ سے دریافت کیا تھا کہ "یا رسول اللہ! کیا اس سے زیادہ سخت دن بھی آپؐ کی زندگی میں آیا ہے؟" آپؐ نے جواب میں فرمایا "ہاں۔ یوم طائف میری زندگی کا سب سے زیادہ سخت دن تھا۔"

اہلِ ایمان پر تعذیب: داعیٔ انقلاب جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاندانِ بنو ہاشم کے چشم و چراغ اور پورے مکہ والوں کی آنکھوں کا تارا تھے اور جن کا تذکرہ قریش الصادق والامین جیسے معزز القاب سے کرتے تھے اُنؐ کے ساتھ تعذیب و تشدد کا جو معاملہ ہوا ہے اس کی ایک جھلک میں نے آپ کو دکھائی ہے۔ اب ایک طائرانہ نظر ان مصائب اور جور و تعدّی پر بھی ڈال لیجئے جو اہلِ ایمان پر توڑے گئے۔ ان میں سے بھی سب سے زیادہ ظلم و ستم کے پہاڑ ان اہلِ ایمان پر ڈھائے گئے جو غلاموں کے طبقے سے تعلق رکھتے تھے یا غیر قرشی ہونے کے باعث کسی قرشی سردار کے حلیف بن کر اور اس کی امان لے کر مکہ میں آباد تھے۔ مکہ میں نہ غلاموں کے کوئی حقوق تھے نہ ان حلیفوں کے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طبقے کے اہلِ ایمان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اسے سُن کر سخت سے سخت دل

یں بھی جھرجھری آجاتی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ امیہ ابن خلف نے جو کچھ کیا، وہ یقیناً آپ حضرات کے علم میں ہوگا۔ مکہ کی توے کی طرح جلتی ہوئی سنگلاخ زمین ہے، سورج آگ برسا رہا ہے۔ جن حضرات کو حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے، وہ جانتے ہیں کہ مکہ میں گرمی کا کیا عالم ہوتا ہے، خاص طور پر موسم گرما میں ـــــ اس گرمی کے عالم میں حضرت بلالؓ کے ساتھ وہ بہیمانہ سلوک کیا جاتا ہے جو اگر کسی مردہ جانور کے ساتھ بھی کیا جائے تو طبیعت میں ناگواری کا احساس پیدا ہو جائے۔ کبھی انؓ کو باندھ کر اوراوندھے منہ لٹا کر زمین پر گھسیٹا جاتا ہے۔ کبھی انؓ کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا جاتا ہے کہ سانس لینا بھی مشکل۔ منہ سے بھاگ نکل رہے ہیں، لیکن اس کیفیت میں بھی کوئی آہ وفغاں نہیں۔ زبان سے بمشکل الفاظ نکل رہے ہیں تو یہ "اَحَدٌ ۔ اَحَدٌ ۔ اَحَدٌ"۔ بس ایک معبودِ برحق ہے اور کوئی نہیں" ـــــ حضرت خبابؓ ابن ارت کے ساتھ کیا ہوتا ہے! ان کو پکڑ کر مجمع میں لایا جاتا ہے ـــــ انگارے دھکا کر ننگی پیٹھ انؓ کو ان انگاروں پر لٹا دیا جاتا ہے۔ کمر سوختہ ہو جاتی ہے اور اس کی چربی سے انگارے بجھ جاتے ہیں، اس طرح ان کی جان بچ جاتی ہے ـــــ آلِ یاسر کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کو بیان کرنے اور سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہیئے۔ یہ خاندان تین افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت یاسرؓ، ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ اور ان کے بیٹے حضرت عمارؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ تینوں ایمان لے آئے تھے۔ اس وقت یہ خاندان ابوجہل کا حلیف اور اس کی پناہ میں تھا۔ وہ کئی روز تک ان تینوں کو طرح طرح سے تشدد کا نشانہ بناتا رہا۔ لیکن انؓ کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ انؓ کی اس استقامت سے تنگ آکر اور مغلوب الغضب ہو کر اس شقی القلب نے اس خاندان کے ساتھ حبس وحشیانہ پن اور بربریت کا معاملہ کیا ہے اسے گوشِ ہوش سے سنئے۔ حضرت عمارؓ کو ایک درخت سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ اپنے ماں باپ پر ہوتا ہوا ظلم اپنی آنکھوں سے دیکھیں ـــــ پھر ابوجہل اُن میاں بیوی سے دین توحید سے منحرف ہونے کے مطالبہ کا اعادہ کرتا ہے۔ انکار پر حضرت سمیہؓ پر کوڑے برساتا ہے۔ پھر شوہر اور بیٹے اور مجمع کے سامنے انہیں نیم عریاں کرتا ہے۔ پھر یہ شقی اس طرح تاک کر ان کے اندام نہانی پر نیزہ مارتا ہے کہ پشت سے پار ہو جاتا ہے ـــــ ایک مومنہ کا یہ پہلا خون تھا جس سے توحید کی انقلابی دعوت کے باعث مکہ کی سرزمین لالہ زار ہوئی۔ پھر حضرت یاسرؓ کے ہاتھ پاؤں چار سرکش اونٹوں سے باندھ کر انہیں چار سمتوں میں ہانک دیا جاتا ہے کہ اس طرح انؓ کے جسم کے چیتھڑے اڑ جاتے ہیں ـــــ ظالموں اور حلیفوں کے طبقے سے ایمان لانے والوں پر جو ظلم وستم ہوا، ان کی چند مثالیں میں نے آپ کے سامنے بیان کی ہیں۔ اب ذرا اس جور وتعدی کے بھی چند واقعات سن لیجئے جو اُن نوجوانوں پر

توڑے گئے جو قریش کے چوٹی کے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور دعوتِ توحید پر ایمان لے آئے تھے۔ جیسے حضرت عثمانؓ ابن عفان، خاندانِ بنو امیہ کے ایک صالح نوجوان۔ اُنؓ کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا تھا کہ سانس لینا دوبھر ہو جاتا ــــ حضرت مصعبؓ ابن عمیر نہایت خوش حال گھرانے کا ایک رعنا نوجوان۔ نہایت حسین و جمیل، نہایت خوش پوشاک۔ اُنؓ کے چچا نے اُنؓ کو ایمان لانے کی پاداش میں مادر زاد ننگا کر کے گھر سے نکال دیا ہے حضرت سعد ابن وقاص قریش کے ایک معزز خاندان کے چشم و چراغ۔ خاندان خصوصاً ماں کے نہایت لاڈلے۔ اُنؓ کے ایمان لانے پر ماں بھوک ہڑتال کر دیتی ہے کہ نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی، بھوکی مر جاؤں گی اگر سعد اپنے آبائی مشرکانہ دین کی طرف نہ لوٹا۔ پھر حضرت حذیفہؓ ہیں جو عتبہ ابنِ ربیعہ جیسے قریش کے مدبّر سردار کے بیٹے اور ابو سفیان کے برادرِ نسبتی ہیں۔ ان پر ہر طرف سے دباؤ اور ماریں پڑ رہی ہیں کہ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ دیں۔ مزید برآں اونچے گھرانوں کے جو متعدد نوجوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں اور ان کے قدموں میں پہنچ گئے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی نوع کی تعذیب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

صبر و استقامت: تعذیب، تشدّد اور ظلم و ستم اور اس پر صبر و ثبات اور استقامت کا مرحلہ مکّہ میں بارہ سال تک جاری رہا اور اس عرصے میں اس بہیمانہ تشدّد، جور و ستم اور مظالم کی وجہ سے نہ تو کسی نے کمزوری دکھائی، نہ اپنے مؤقف سے ہٹا اور نہ ہی کسی نے جواباً ہاتھ اٹھایا۔ کُتبِ سیر میں صرف دو واقعات ملتے ہیں۔ ایک حضرت عمّارؓ کا۔ اپنے والدین (حضرت یاسرؓ اور حضرت سمیّہؓ) پر وحشیانہ ظلم دیکھ کر اُنؓ کے ہاتھ سے خبر کا دامن چھوٹ گیا اور انہوںؓ نے اس موقع پر اپنی جان بچانے کے لئے زبان سے اسلام سے برأت کا اعلان کر دیا۔ اس پر وہ بڑے پریشان پشیمان تھے۔ وہؓ اس حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا رحمۃ اللعالمینؐ نے دریافت فرمایا کہ "دل کی کیا کیفیت ہے اور آئندہ کے لئے کیا ارادہ ہے!" انہوںؓ نے عرض کیا کہ "بحمد اللہ دل میں ایمان موجود ہے اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتا ہوں"۔ اس حضورؐ نے تسلی دی کہ "پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم اب بھی مؤمن ہو" ــــ اس کی وحی قرآنی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی توثیق فرما دی۔ چنانچہ حضرت عمّارؓ کو تسلی حاصل پھر انہوں نے اپنے ایمان کا علی الاعلان اظہار بھی کر دیا ــــ دوسرا واقعہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا ہے۔ ایک موقع پر جب ابوجہل نے ان کو بہت مارا تو جواب میں انہوںؓ نے بھی ایک تھپڑ

کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو آپؐ ناراض ہوئے اور آپؐ نے تادیباً حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو کچھ عرصہ کے لئے مکّہ سے جلاوطن کر دیا۔ ان دو واقعات کے علاوہ اگر کوئی اور واقعہ ہو تو وہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا۔ کوئی ہو تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

تربیت و تزکیۂ محمدیؐ کا کمال: میں کہا کرتا ہوں کہ یہ کمال ہی نہیں بلکہ معجزہ ہے تزکیہ و تربیت محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام کا ـــــ ورنہ آپ خود سوچئے کہ اگر کسی شجاع نوجوان کو یہ نظر آجائے کہ اس کو ایسی اذیت دینے کی تیاری ہو رہی ہے جو اس کی موت پر بھی منتج ہو سکتی ہے۔ جیسے حضرت خبابؓ ابن ارت کے ساتھ معاملہ ہوا تھا ـــــ تو اگر وہ مشتعل اور DESPERATE ہو جائے تو وہ دس کو مار کر مرے گا۔ اسی طرح سوچئے کہ جب آلِ یاسرؓ پر ظلم ہو رہا تھا، خاص طور پر صنفِ نازک حضرت سمیّہؓ کے ساتھ ابوجہل جو بہیمانہ سلوک کر رہا تھا تو کیا اس پر اہلِ ایمان کا خون کھولتا نہ ہوگا! کیا وہ اس مظلوم خاندان کی حمایت میں کوئی اقدام نہیں کر سکتے تھے! کیا معاذاللہ بزدل تھے! ان میں سے کوئی بات نہیں تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ داعیٔ انقلاب جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا حکم تھا کہ تم پر کتنے ہی مصائب آئیں، تم پر کتنے ہی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جائیں، تمہارے اسلامی بھائی بہنوں کے ساتھ کتنا ہی بہیمیت و بربریت کا سلوک کیا جائے، ان سب کو برداشت کرو، جھیلو۔ ان مصائب، ان مظالم اور اس تعذیب پر صبر کرو۔ کُفُّوْا اَیْدِیَکُمْ۔ اپنے ہاتھ بندھے رکھو، روکے رکھو، کوئی جوابی کارروائی نہیں ہوگی۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہیں اٹھائے جا سکتے۔ اپنے کسی مسلمان بھائی بہن پر ظلم ہوتا دیکھ کر اس کی مدد کے لئے کوئی جوابی کارروائی بھی نہیں کی جا سکتی۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اس حکم کا نتیجہ تھا کہ مسلمان جن کی تعداد میرے اندازے کے مطابق اس وقت چالیس پچاس کے لگ بھگ تھی اور ان میں سے ہر ایک شجاعت و دلیری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا اور جن کو زندگی کی نسبت اللہ کے دین کے لئے جان دے دینا زیادہ عزیز تھا، آلِ یاسرؓ پر ظلم دیکھ کر خاموش رہے اور اپنے غم و غصّہ کو ضبط کرتے رہے۔ جب حضورؐ آلِ یاسرؓ کے سامنے سے گزرتے تو تلقین فرماتے کہ: اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ۔ "اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو اس لئے کہ تمہارے وعدہ کی جگہ جنّت ہے۔"

صبرِ محض کی حکمتیں: صبرِ محض (PASSIVE RESISTANCE) جو ایک انقلابی عمل میں انقلابی دعوت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے ـــــ لیکن جسے بغرضِ تفہیم میں نے

چوتھا مرحلہ قرار دیا ہے ــــ بڑا ہی نازک، بڑا کٹھن، بڑا صبر آزما اور بڑا CRUCIAL مرحلہ ہوتا ہے۔ اس کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ وقت کی محدودیت ان کو بیان کرنے میں مانع ہے۔ البتہ چند ایک کا بیان ناگزیر ہے اور ان کو سمجھنا ضروری ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اسلامی انقلاب کے لیے قوت محرکہ (MOTIVATING FORCE) آخرت کی فوز و فلاح ہے، رضائے الٰہی کا حصول ہے، "جنت" ہے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ کے اس فرمانِ مبارک میں سامنے آیا کہ اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃُ ــــ اگر اسلامی انقلابی جماعت کے کارکنوں کو آخرت پر ایمان ہے، اگر اس کے پاس یہ قوت محرکہ موجود ہے تو جماعت ہر ابتلاء، ہر نوع کے تشدد اور ہر نوع کی تعذیب کے مقابلہ میں کھڑی رہے گی۔ وہ مقاومت کرے گی، لیکن وہ RESISTANCE بلا مزاحمت یعنی PASSIVE ہوگی۔ اس طرح اس میں قوت ارادی اور قوت برداشت نشوونما پائے گی جس کی اگلے مراحل میں سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ مزید یہ کہ اس صبر محض کی جو سب سے بڑی حکمت ہے وہ یہ ہے کہ ابتدا میں انقلابی جماعت نہایت مختصر ہوتی ہے، جب کہ معاشرہ کا ایک ESTABLISH نظام ہوتا ہے۔ اب اگر یہ انقلابی لوگ شروع ہی میں VIOLENT ہو جائیں، تشدد کا جواب تشدد سے دینے لگیں تو اس معاشرے اور نظام کو اس مختصر سی جماعت کو پوری طرح کچلنے اور بالکل ختم کرنے کا اخلاقی جواز مل جاتا ہے لیکن اگر یہ انقلابی VIOLENT نہیں ہوتے اور اس کے باوجود معاشرے کا سر برآوردہ طبقہ ان کو کچل رہا ہے، ان پر تشدد کر رہا ہے تو یہ وہ عمل ہے جس کے باعث اس انقلابی جماعت کو عوامی سطح پر ایک خاموش ہمدردی حاصل ہونی شروع ہو جاتی ہے۔ جس کو اس دور میں آپ جس لفظ سے پہچان سکتے ہیں وہ ہے خاموش اکثریت (SILENT MAJORITY) یہ بڑی خوبصورت اصطلاح ہے اور صورت حال کو سمجھنے میں بڑی ممد ہے۔ یہ اکثریت خاموش و ساکت تو ہوتی ہے، اندھی بہری نہیں ہوتی، بے حس نہیں ہوتی ــــ وہ دیکھتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے! یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیوں ستایا جا رہا ہے! آپؐ کو کیوں اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ آپؐ تو قریش کی آنکھوں کا تارا ہیں۔ خود قریش کے سرداروں نے بالاتفاق آپؐ کو الصادق اور الامین جیسے معزز خطابات دیئے ہیں۔ آپؐ پورے مکہ میں سب سے زیادہ کریم و شریف النفس شخصیت ہیں۔ محتاجوں، یتیموں، بیواؤں اور معاشرے کے کچلے ہوئے طبقات کے ہمدرد و دمساز اور ان کی اعانت اور دست گیری کرنے والے ہیں۔ اخلاق کی

بلند ترین سطح پر فائز فرد ہیں۔ آپؐ سے زیادہ وعدے کا سچا اور معاملات میں کھرا کوئی دوسرا شخص پورے معاشرے میں موجود نہیں ہے۔ آپؐ پورے معاشرے میں محبوب ترین شخصیت ہیں۔ پھر آپؐ کے ساتھ تعذیب و تعدّی اور استہزاء و تمسخر کا یہ معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ پھر بلالؓ کو کیوں مارا جا رہا ہے؟ امیّہ ابن خلف کو کیا ہو گیا ہے! کیا بلالؓ نے چوری کی ہے یا کوئی ڈاکہ ڈالا ہے؟ کہیں ابنِ خلف کی بیٹی پر دست درازی کی ہے؟ —— یہ خبابؓ ابن ارت کے ساتھ کیا ہو رہا ہے! اچھا بھلا اور نیک آدمی ہے —— وہؓ لوہار تھے اور اپنے کام میں ماہر، دیانت دار، وعدے پر کام کرنے والے، انہوںؓ نے کبھی کسی کو دھوکہ نہیں دیا —— آخر ان کو کیوں مارا جا رہا ہے؟ ان کو کیوں دہکتے انگاروں پر لٹایا جا رہا ہے! یہ عثمان، یہ مصعب، یہ ابو عبیدہ، یہ طلحہ، یہ سعید، یہ سعد، یہ زبیر، یہ ابو حذیفہ اور دوسرے نوجوان اہلِ ایمان (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) جو اپنے اعلیٰ کردار و اخلاق کے اعتبار سے معاشرے میں بڑی قدر و وقعت رکھتے ہیں۔ یہ ابوبکرؓ جو قریش میں شرافت اور عزت و منزلت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام کی حامل شخصیت اور ایک دیانت دار و راست باز تاجر ہیں، ان کو ظلم و ستم کا نشانہ کیوں بنایا جا رہا ہے؟ پھر جب صاف طور پر یہ نظر آتا ہے کہ ان کا کوئی اخلاقی جرم نہیں ہے۔ بس ان کی اگر خطا ہے تو صرف یہ ہے: اَنْ یَقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ۔ "یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب، ہمارا مالک ہمارا آقا صرف اللہ ہے"۔ یہ شرک سے تائب ہو کر اللہ وحدہٗ لاشریک کے پرستار بن گئے ہیں۔ اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوّت و رسالت پر ایمان لے آئے ہیں۔ انؐ کے دامن سے وابستہ ہو گئے ہیں ——

متأثر کن بات: غور کیجئے کہ بُرے سے بُرے معاشرے میں بھی انسانی فطرت اتنی مسخ نہیں ہوتی کہ وہ ان باتوں کو محسوس نہ کرے اور اس کا کوئی اثر قبول نہ کرے ——

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوقار رویّہ، آپؐ کا حلم، آپؐ کی استقامت، آپ کا صبر و ثبات —— پھر آپؐ پر ایمان لانے والوں کی استقامت، ان کا ثبات، ان کا صبر، ان کا تحمل —— یہ وہ اوصاف ہیں جو اس "خاموش اکثریت" کے دلوں کے اندر ہی اندر اثر کر رہے ہیں۔ اس نے ابھی حرکت نہیں کی ہے۔ نہ اس میں اتنی ہمت ہے کہ آگے بڑھ کر ظالموں کا ہاتھ روک لے اور کُھلّم کُھلّا توحید کی انقلابی دعوت کو قبول کر لے۔ لیکن اندر ہی اندر دلوں میں ایک خاموش انقلاب آ رہا ہے، اندر ہی اندر دل فتح ہو رہے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎ "جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتحِ زمانہ"۔ دعوتِ حق خاموشی کے ساتھ دلوں میں گھر کر رہی ہے۔ جس کا

ایک ظہور ہوتا ہے صلح حدیبیہ کے بعد اور کامل ظہور ہوتا ہے فتح مکہ کے بعد ۔ جس کی پیش گوئی سنہ نبوی میں یعنی ہجرت سے قریباً ڈھائی تین سال قبل سورۃ الاسراء میں بایں الفاظ فرمادی گئی تھی:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

اس مرحلے کی حکمتوں کا اگر ایک خلاصہ بیان کیا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ صبرِ محض کے دور میں انقلابی جماعت کو ایک طرف اپنے تین ابتدائی کاموں یعنی دعوت کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے، دعوت کو قبول کرنے والوں کو منظم اور ان کی تربیت و تزکیہ کرنے کے لئے مہلت ملتی ہے، چونکہ اگلے مراحل کی کامیابی کا دار و مدار ان ہی تین مراحل کی کامیابی پر ہوتا ہے۔ دوسری طرف صبرِ محض کے اس مرحلہ میں معاشرے کی بڑی اکثریت اندر ہی اندر دعوت کی حقانیت کو قبول کرتی چلی جاتی ہے جو آخری مراحل کے بعد انقلابی جماعت کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور عملاً انقلابی دعوت کی علمبردار و داعی بن جاتی ہے۔

اس چوتھے مرحلے کی اہمیت و افادیت: آگے بڑھنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس مرحلہ کی اہمیت و افادیت کی وضاحت کا اعادہ کر دوں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ جب انقلابی مراحل کو ترتیب وار شمار کیا جائے گا تو صبرِ محض چوتھا مرحلہ قرار پاتا ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ مرحلہ دعوت کے پہلے دن ہی سے شروع ہو جاتا ہے اور ابتدائی و تمہیدی تینوں مراحل یعنی دعوت، تنظیم اور تربیت و تزکیہ کے شانہ بشانہ چلتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تعذیب و تشدد پر صبر و تحمل اور عزیمت و استقامت کا مظاہرہ کرنا اور اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ نہ اٹھانا انتہائی مشکل اور کٹھن مرحلہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں استقلال و تثبیت اور اپنے موقف پر قائم و مستقیم رہنا ہی اگلے مراحل یعنی اقدام اور مسلح تصادم کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔ صبرِ محض کا مرحلہ انقلابیوں میں قوتِ ارادی، قوتِ برداشت، اپنے مقصد کی حقانیت پر یقین پیدا کرنے اور کندن بننے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ یہ تیاری کا مرحلہ ہے۔ یہ پختگی کا مرحلہ ہے۔ اس کے بغیر اگر ٹکراؤ ہو جائے تو تمام محنت اور جدوجہد اکارت ہو جائے گی۔ یہی حقیقت ہے جسے علامہ اقبال نے اس شعر میں سمو دیا ہے جو میں دورانِ تقریر دو مرتبہ آپ کو سنا چکا ہوں اور اب تیسری بار اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔

؎ بانشۂ درویشی در سازد و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن

خطوط و نکات

بھارت میں دعوتِ رجوع الی القرآن کا ایک نیا مرکز ـــــ کلیان

محترمی و مکرمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

ایک طویل مدت کے بعد دوبارہ آپ سے مخاطب ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ اتنی ساری مصروفیات کے باوجود آپ کے مزاج بفضلہ تعالیٰ بخیر ہونگے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے اعزّہ و اقارب و رفقاء کار بھی سب بخیر ہوں گے۔

'میثاق' 'حکمت قرآن' اور 'ندا' باقاعدگی سے مل رہے ہیں جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ بدل اشتراک کے بغیر اتنی باقاعدگی سے تین تین قیمتی رسالے بیرون ملک ارسال کرنا آج کے زمانے میں حاتم طائی کے قبیل کا کام ہے۔ یقین جانیئے ذاتی طور پر مجھے اور میرے دوسرے علمی ذوق رکھنے والے دوستوں کو 'میثاق' اور 'حکمت قرآن' کا بڑی شدت سے انتظار رہتا ہے۔ ان دونوں رسالوں کے اکثر اہم مقالات کی میں فوٹو کاپیاں بنوا لیتا ہوں۔ اور 'ندا' تو ہمارا لائبریری کا گرم کیک (HOT CAKE) ہے۔ نوجوانانِ ہند (جن کی جذباتی وابستگی پاکستانی مسلمانوں سے آج بھی جوں کی توں برقرار ہے) کے لیے یہ ایک انمول تحفہ ہے۔

جناب حیدر غوری حیدر آباد سے ہمارا رابطہ قائم ہے اب تک ہم نے انہیں دو ہزار (۲۰۰۰/-) روپے بھجوائے ہیں۔ موصوف نے کچھ کتابیں اور لگ بھگ ۳۰ کیسٹس ارسال کی ہیں۔ مزید کیسٹس و کتابیں متوقع ہیں۔ دریں اثنا ہمارے ایک عزیز جو کراچی میں مقیم ہیں، انہیں ہم نے ہر سال ہماری جانب سے کم از کم پانچ سو روپے انجمن خدام القرآن لاہور تک پہنچانے کی ذمہ داری ڈالی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ فی سبیل اللہ یہ کام کریں گے۔ امید ہے مستقبل قریب میں یہ روپے آپ کو مل جائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے مرکز سے طبع شدہ ہر پمفلٹ، کتابچہ اور کتاب اور آپ کی آواز کا ہر کیسٹ ہمیں میسر ہو۔

امسال ماہِ رمضان میں رجوع الی القرآن کی دعوت بڑے وسیع پیمانے پر آپ کی کتابوں، کتابچوں اور کیسٹس کی مدد سے گھر گھر پہنچانے کا منصوبہ زیرِ غور ہے۔ اگر اللہ کی مرضی اور آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ کام ہم ضرور کر گذریں گے۔ امید ہے انجمن خدام القرآن لاہور بالواسطہ یا بلاواسطہ

حتیٰ الامکان ہم سے تعاون کرے گی۔ چونکہ رمضان کی آمد آمد ہے اس لیے آپ اور جناب حیدر غوری صاحب سے تعاون میں تاخیر نہ کرنے کی مودبانہ درخواست ہے۔ امید ہے آپ اس کم سن عقیدت مند کی اس بے ادبی و جرأت سے درگذر کریں گے۔

جناب! ایمانیات پر مبنی آٹھ کیسٹس و اسلام کا نظامِ حیات پر مبنی چھ کیسٹس جو شاید حیدرآباد سے ہمیں نہ مل سکیں گے اگر آپ بھجوائیں تو بہتر ہوگا۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ کے کسی رفیق کار نے ایمانیات پر مشتمل خطبات کو کتابی شکل میں منتقل کرنے کا کام شروع کر دیا ہوگا اس کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔
نیز ویسے تو ہمیں آپ کی تمام تصنیفات درکار ہیں لیکن مندرجہ ذیل تصانیف ہماری LIST OF PRIORITIES میں سرِفہرست ہیں۔

(۱) قرآن حکیم کا منتخب نصاب (۲) رسولِ کامل (۳) نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت (۴) معراج النبی۔
(۵) اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (۶) فلسفۂ قربانی (۷) اسلام کا معاشی نظام (۸) دعوت رجوع الی القرآن
(۹) اقبال اور ہم (۱۰) منہج انقلاب نبوی (۱۱) تنظیم اسلامی کی دعوت (۱۲) مسلمانوں کے دینی فرائض
(۱۳) فرائضِ دینی کا جامع تصور (۱۴) توحیدِ عملی (۱۵) وحدت امت۔

میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہوں کہ پاکستان سے ہندوستان لٹریچر بھیجنا ایک مشکل امر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ اس کارِ خیر کے لیے اسباب فراہم کرے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔
دعاؤں میں مجھے اور میرے اہل بیت و رفقاء کو یاد رکھنے کی استدعا ہے جواب کا شدت سے انتظار رہیگا۔

حضرت اقتدام پر ایک نہایت ہی اہم بات یاد آئی جس کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تقلید و عدم تقلید کا موضوع اور اس ضمن میں سلفی علماء کا تشدد (درانحالیکہ بعض معاملات میں وہ حق پر ہیں)، ہم نوجوانوں کے لیے باعث بحث و جدل بنا ہوا ہے، آپ کے معتدل قلم سے ایک تشفی بخش و طویل مضمون کی درخواست ہے۔ جو اس "امت وسط" کو تقلید و عدم کی درمیانی "راہ اتباع" دکھلائے امید ہے اپنی مصروفیات کے باوجود مسئلہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔

والسلام

احقر معین الدین ڈون عفی عنہ

اقراء اسلامک لائبریری

ولی پیر روڈ، کلیان

انڈیا کے خریدار حضرات متوجہ ہوں

آپ کی سہولت کے لیے انڈیا میں انجمن خدام القرآن کا دفتر قائم ہے۔ میثاق اور حکمت قرآن کا زرتعاون وہاں ادا کیا جا سکتا ہے۔ مزید براں لٹریچر و کیسٹس بھی وہاں پر دستیاب ہیں۔

Anjuman Khuddam ul Quran India
4-1-444 2nd Floor Bank Street
Hyderabad 500001 AP India
Tel: 42127

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان۔
فون: ۲۲۱۵۹۸-۳۱۲۷۵۴

SV ADVERTISING

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

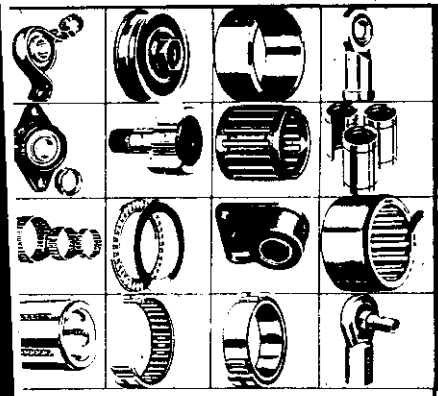

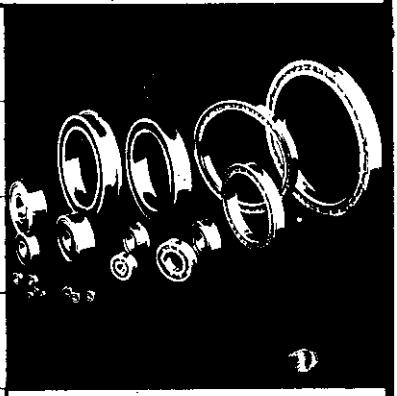

PRODUCTS

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا

اے ہمارے رَبّ، اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

اور اے ہمارے رَبّ، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رَبّ، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

ہر محفل کا میزبانِ خصوصی

رُوح افزا

تقریب کی نوعیت پر منحصر نہیں۔ کوئی موقع ہو، کیسی ہی محفل ہو،
ضیافت اور مہمان نوازی کے لیے رُوح افزا پیش پیش۔
فرحت، تازگی اور توانائی کے بے مثال
رنگ، خوشبو، ذائقے، تاثیر اور معیار میں لازوال۔

رُوح پاکستان۔ رُوح افزا
راحتِ جان۔ رُوح افزا

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

خدمتِ خلق رُوحِ اخلاق ہے

asia

ناقابلِ تردید عالمی معیار 45 سالہ تجربہ اور فنی تحقیق کا نچوڑ

ایشیا پنکھے

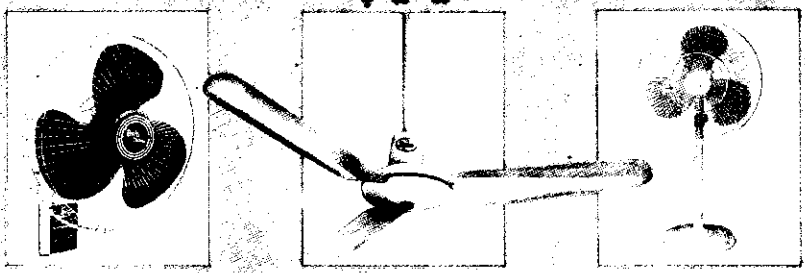

بین الاقوامی معیار کے ایشیا پنکھے 1960 سے امپورٹڈ الیکٹریکل سٹیل شیٹ ہی سے تیار کیے جا رہے ہیں جن کی اعلیٰ کارکردگی 20 سال چلنے کے بعد بھی متاثر نہیں ہوتی اور پیسہ، بجلی کی بچت بھی

بین الاقوامی معیار کی باتھ رُوم فٹنگز کا واحد متبادل

ایشیا فٹنگز عالمی شہرت کے حامل جرمن MR DIETER W. GOTTSCHALK جو مشہور فیکٹری GROHE سے ایک طویل عرصہ منسلک رہے، کی زیر نگرانی تیار کی جاتی ہیں ہم نے پاکستان میں پہلی مرتبہ GRAVITY CASTING کی تکنیک اور نئے نئے ڈیزائن متعارف کروائے۔ الیکٹروپلیٹنگ کے لیے (DUPLEX) تکنیک بھی پہلی دفعہ ایشیا فٹنگز میں استعمال کی جو بین الاقوامی معیار سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

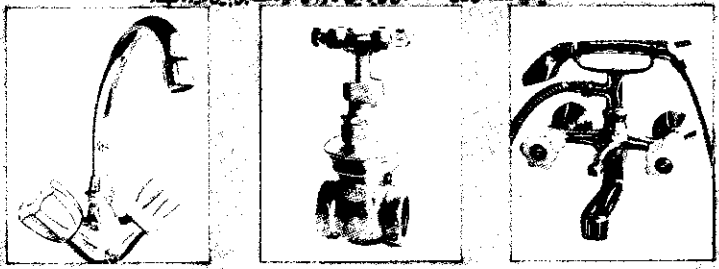

جہدِ مسلسل۔ ہماری کامیابی

انور انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

جی ٹی روڈ۔ گوجرانوالہ فون: 4-52430 ٹیلیکس: ANWAR PK. 4584

کراچی فون: 239675 لاہور فون: 62581 راولپنڈی فون: 65075

Jawad

We are manufacturing and exporting ready made garments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

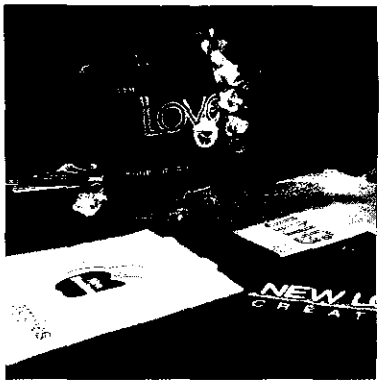

For further details write to:

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV C 3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018 625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL 38 No. [illegible]
MAY 1989